سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حکیم محمد اسلم صدیقی راجوروی

قاضی عبدالقدیر خاموش

سیدنا حسن ابن علیؓ

حکیم فیض عالم صدیقی

یونیورسل بکس
40۔ اے۔ آردو بازار۔ لاہور

نام کتاب ——— سیّدنا حسنؓ ابن علیؓ
مولف ——— حکیم فیض عالم صدیقی
ضخامت ———
تعداد ——— ایک ہزار
طبع ——— اوّل
قیمت ———
ناشر ———
پریس ———
کتابت ——— سیّد فاضل شاہ انور قلمکار گجرات
جزوی کتابت ——— قاری حبیب احمد جہلم
مقامِ اشاعت : جامع اہل حدیث محلہ مستریاں - جہلم

ملنے کے پتے

۱- حافظ عبد القدیر خاموش ناظم اعلیٰ شبان اہلحدیث ہیل ضلع گجرات
۲- حاجی رحمت اللہ امیر جمعیت اہلحدیث فوارہ چوک صدر پشاور
۳- مولانا عبد الواحد سلفی محلہ چراغ پورہ لالہ موسیٰ
۴- مکتبہ عزیزیہ، جامع قدس چوک دال گراں لاہور
۵- مکتبہ عثمانیہ ۱۶/۴ مسلم لیگ کوارٹرز کراچی -

حکیم فیض عالم صدیقی

جامع مسجد اہلحدیث - محلہ مستریاں - جہلم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی الیٰ جنبہ وھو یقبل علی الناس مرۃ وعلیہ اُخریٰ ویقول ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

(رواہ بخاری)

اور ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا دیکھا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منبر پر اور حسنؓ بن علیؓ، آنحضرتؐ کے پہلو میں تھے اور حال یہ تھا کہ نبی علیہ السلام متوجہ ہوتے تھے لوگوں کی طرف ایک بار اور حسنؓ کی طرف دُوسری بار اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا تحقیق سیّد ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ صلح کرا دے بسبب اس کے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان۔

(بخاری)

اِنتساب

میری عمر چار پانچ سال کے درمیان تھی۔ سردیوں کے دن تھے اور صبح نو دس بجے کا وقت تھا۔ اس وقت یہ حافظہ میں موجود نہیں کہ کون کیا کر رہا تھا؟ کہ باہر سے کسی نے بڑے دبنگ قسم کے لہجے میں آواز لگائی۔ نذر اللہ نیاز حسینؑ، میں آواز سن کر باہر لپکا میرے عقب سے آواز آئی سائیں اللہ! نذر اور نیاز سب اللہ کے لئے ہے، کہو تم کیا چاہتے ہو، گھوم کر دیکھا تو ابا حضور تھے اور سامنے ایک بڑا خونخوار قسم کا سیہ پوش ملنگ کھڑا تھا، بڑی بڑی مونچھیں سرخ آنکھیں ایک اچھا خاصہ وزنی ڈنڈا ہاتھ میں ——— بڑی پُر رعب مگر مصنوعی قسم کی آواز میں بولا، سائیں بادشاہ ایک منکر حسینؑ سے کوئی نذرانہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اس کے بعد جو کچھ ہوا میری نظریں اس کا تعاقب نہ کر سکیں۔ البتہ ابا حضور کی یہ آواز کانوں میں گونجی۔ ارے مردود! میں منکر حسینؑ ہوں اور تو محب حسینؑ ہے اور "سائیں بادشاہ" چاروں شانے چت زمین پر پڑے اور ابا حضور اس کے سینہ پر سوار نظر آئے۔ "سائیں بادشاہ" گگھیائے، غالباً ملنگ کی آواز سن کر اندر سے اماں حضور لپک کر باہر نکلیں اور ابا حضور سے "سائیں بادشاہ" کو نجات دلائی۔ اس وقت تو یہی نظر آیا کہ ابا حضور نے اپنے سے تین گنا لحیم و شحیم ملنگ کو پچھاڑ کر رکھ دیا مگر آگے چل کر ابا حضور کا وہ شرک توڑ واقعہ میرے لئے مشعلِ راہ بن گیا۔ اسی واقعہ کی یاد میں

سید ناصر حسنؒ کے حضور میں اس "نذرانہ عقیدت" کا انتساب

ابا حضور کے نام کرتا ہوں۔ جو نومبر ۱۹۵۹ء میں ایسی حالت میں شہادتِ ہجرت سے سرفراز ہوئے جب ان کی ناز پروردہ اولاد بارہ سال سے پاکستان میں دھکے کھانے کے باوجود نانِ شبینہ تک کی محتاج تھی۔

کاش۔ ابا حضور آج زندہ ہوتے اور اپنی اولاد کو خوشحالی کی زندگی میں دیکھ سکتے۔

فیض عالم

یکم فروری ۱۹۷۹ء

مولّف کی دیگر تالیفات

اختلافِ امّت کا المیہ: اس میں مذاہب اربعہ، متروک مذاہب، منکرین حدیث، مرزائیت سوشلزم وغیرہ پر تفصیلی بحث کے علاوہ برصغیر میں اہلحدیث کی دینی خدمات کا جائزہ۔

حقیقت مذہب شیعہ: دُوسرا ایڈیشن۔ شیعہ مذہب کی مکمل انسائیکلوپیڈیا۔

واقعہ کربلا: صوبہ سرحد اور پنجاب نے ضبط کر لی ہے۔

بنات الرسولؐ: شیعہ زعمائے اس موضوع پر خط وکتابت اور اس پر محاکمہ

مقامِ صحابہؓ: شیعہ مذہب کی کتب سے۔ یہ کتاب امریکن یونیورسٹیوں کے کٹالگ پر آچکی ہے۔

شہادتِ ذوالنورینؓ: اس کتاب پر ماہنامہ میثاق، شمس الاسلام، چٹان، خدام الدین الاسلام نے بڑے جاندار تبصرے لکھے ہیں (دُوسرا ایڈیشن)۔

عترتِ رسولؐ: اس کتاب میں عترت، اہل بیت اور آل پر علمی بحث، اور ۱۵ طالبیوں کے خروج کی تفصیلی بحث، ماہنامہ میثاق، شمس الاسلام اور الاسلام نے اس کتاب پر تفصیلی تبصرے لکھے ہیں۔ ضمناً واقعہ حوأب اور شہربانو کی فرضی تخلیق کا پس منظر۔

سیرتِ امیر مروانؓ: امیر مروانؓ بن الحکم کی سیرت، خلافت، علمی خدمات اور دینی خدمات کا تذکرہ۔

مشکوٰۃ المصابیح کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر } اس کتاب میں ان غلط روایات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو مجمیت کے راستے تاریخ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی رُوح کیلئے باعثِ ندامت ہوئی ہیں۔

صوبہ سندھ نے یہ کتاب ضبط کر لی ہے۔

سُلطان ٹیپو شہیدؒ: برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے لیکر سلطان شہیدؒ اور سلطان حیدر علیؒ کے مجاہدانہ کارنامے

سیرتِ صدیقہ کائناتؓ: اپنی نوعیت کی منفرد تحقیقی تالیف جس میں ام المؤمنین کی عمر، جنگ جمل، افک، تحریم اور علمی اجتہاد اور وفات پر بحث کی گئی ہے۔

سیرت نویسی کی مشکلات

ایک تاریخ ساز قوم کی تمام زندگی ایسی مصروفیات کی نذر ہو جاتی ہے کہ اس کے افراد تاریخ نویسی کے لئے اپنی زندگی سے چند لمحات بھی نہیں نکال سکتے۔ پھر جو تاریخ ساز قوم اپنا تن، من، دھن غرضیکہ سب کچھ تاریخ سازی پر قربان کر دینے کا تہیہ کر چکی ہو اُسے اس بات کی غرض بھی نہیں ہوتی کہ تاریخ عالم میں اس کے کارناموں کو کچھ مقام ملے گا بھی یا نہیں۔ ایک تاریخ ساز قوم کے جذباتِ عشق و وارفتگی اسے نتائج و عواقب سے بے پرواہ کر کے طغیان و سرکشی کی خرمن سوز سرمستیوں کی سرکوبی کی راہ پر اس طرح ڈال دیتے ہیں کہ اُسے یہ سوچنے کی مہلت نہیں ملتی کہ مستقبل میں پیدا ہونے والی قوموں کے اذہان و قلوب میں ان کے متعلق کس قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔

اگر خوش نصیبی سے ایسی تاریخ ساز قوم کو دیانتدار قسم کے تاریخ نویس مل جائیں تو سبحان اللہ اور اگر تاریخ نویسی بد دیانت قسم کے افراد کے ہاتھوں میں پہنچ جائے تو رہتی دنیا تک ان کی بد دیانتی ملک و قوم کے لئے ایک قسم کا ایمان سوز حربہ ثابت ہوتی رہیگی۔ مسلم قوم کی بدنصیبی کہ جب صحابہ کرامؓ کا پاکباز گروہ اور تابعین کے جلیل القدر افراد تاریخ سازی میں مصروف تھے تو مفتوح اقوام کے نومسلم عجمی نژاد اپنی نسلی عصبیت بغض باطن اور بغض کے حربوں سے لیس ہو کر تاریخ کا حلیہ بگاڑنے کے میدان میں سرگرم عمل تھے قرونِ اوّل کے پینتیس مؤرخوں میں سے اکتیس عجمی نژاد تھے ان سب نے "بآلِ عمر کینہ قدیم است عجم را" کو ماٹو بنایا اور جس قدر بد دیانتیوں سے کام لے سکتے تھے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر وہ بد دیانت تاریخ نویس اپنی پوری کوششوں اور بھرپور توانائیوں کو بروئے کار لانے کے باوجود صحابہ کرامؓ کے آفتاب عالمتاب کی طرح درخشاں و نمایاں کارناموں کو گو کسی حد تک غبار آلود کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اپنی خواہشوں کے مطابق مٹا نہ سکے۔ یہاں تک کہ امیر المومنین سیدنا عبدالملک بن امیر المؤمنین مروانؓ کے مشہور گورنر فاتح حجاج بن یوسف جیسے مدبروں اور سیاستدانوں کا نام باوجود ہزاروں سر

پٹکنے کے تاریخ عالم سے محو نہ کر سکے۔ اس قسم کے بددیانت مؤرخ انہیں بداعمال اور بدکردار تو کہتے رہے مگر ان کی فتوحات کے کارناموں کو نہ چھپا سکے البتہ ان کے مجاہدانہ کارناموں پر ان کی مفروضہ و مزعومہ بدکرداریوں اور بداعمالیوں کا غبار اڑاتے ہیں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ سطح ارضی کی اس پاکباز اور مجاہد مخلوق کے سرفروشانہ کارنامے یوں نسیاً منسیا ہو کر رہ جائیں۔

ان بددیانت قسم کے عجمی نژاد مورخوں کے پہلو بہ پہلو چند بوریہ نشین قسم کے افراد نہایت نامساعد حالات میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انوارِ نبوّت کی کرنوں کی ضیا میں ہنگامی دنیا سے بالکل الگ تھلگ بڑی دیدہ ریزی سے انبار در انبار خزف ریزوں کو رول رول کر صداقت و امانت اور تحقیق و دیانت کے موتی الگ کرنے میں سرمست رہے۔ انہی بوریہ نشین قسم کے افراد کی ہمتوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کے وہ کارنامے ہم تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی جو ایک سچے مسلمان کے لئے سرمایۂ سرمدی ہیں۔ ان کے یہی کارنامے آج ہمارے سامنے "ذخیرہ احادیث" کے نام سے موجود ہیں۔ کذب و افترا کے اس طوفان بدتمیزی میں حقائق کی چھان بین میں ان مردانِ حق نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر کہیں کہیں غیر شعوری اور غیر محسوس انداز میں وہ مردانِ کار بھی تسامح و ذہول سے کماحقہٗ اپنا دامن نہ بچا سکے۔ اور بعض اس قسم کی روایات بخاری جیسی اصح الکتاب میں بھی گھس آئیں جنہیں فہم و ذکا اور تدبر و تعقّل کی بصارت و بصیرت کے حاملین کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو تسلیم کرنے کی حیثیت میں نہیں پاتے۔

پھر آگے چل کر ایک اور مشکل پیدا ہو گئی کہ بعد میں آنے والے بزعم خویش ابرار اور معروف معنوں میں علماء نے بصیرت کے فقدان، عقل کی نارسائی، خرد کی تنگ دامانی کی وجہ سے اغیار کے فراہم کردہ اسی رطب و یابس کو ہی دینی سرمایہ سمجھ کر تاریخ کا حلیہ بگاڑنے کو ہی تاریخ نویسی یا سیرت نویسی کے فرائض سے عہدہ برآئی سمجھ کر ان

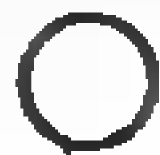
بوریہ نشین محدثین عظام کے علمی کارناموں سے چنداں اعتناء نہ کیا۔ اگر اس طرف توجہ کی بھی گئی۔ تو انہیں معصوم عن الخطا سمجھتے ہوئے ہر قسم کی روایات پر بھروسہ کرتے ہوئے درایت کو پس پشت ڈال کر مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔

ان حالات میں اگر کسی نے تطہیر تاریخ کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تو ایسے عقل کے بیدل بزرجمہر اس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کرنے پر آمادہ ہو گئے لاکھ سر پٹکے، چیخے، چلائے، رسالت کی معصومیت کا واسطے دیدے، امہات المومنینؓ کی طہارت کی دوہائی دی، صحابہ کرامؓ کی عدالت و عظمت کے گن گائے اور علیٰ رؤس الاشہاد پکار پکار کر کہے کہ میاں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ بھی انہی کتب کے ذخیروں سے چھان پھٹک کر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کے تم خوشہ چین ہو مگر شنوائی ندارد۔

اور ستم ظریفی یہ کہ ان پر سبائیت کی یک طرفہ کاروائیوں ONEWAY TRAFFIC کا اس قدر اثر ہے کہ انہیں بخاری کی ان روایات میں بھی خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ جن کی امام بخاریؒ جیسے نابالغ عمر کی طرف نسبت کا تصور ہی تک بھی جسم پر کپکپی طاری کر دیتا ہے۔

دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسا کہنے والے کی باتوں کو سنجیدگی سے سنا جاتا۔ ان پر غور کیا جاتا اور پھر فیصلہ کیا جاتا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے یا غلط۔ اس کے پاس اس کے کہنے کا کوئی ثبوت موجود ہے یا نہیں۔ اگر اس کی باتیں قرآن، صحیح احادیث اور عقل و درایت کی کسوٹی پر پوری اُترنے والی ہوتیں تو انہیں قبول کیا جاتا۔ ورنہ ٹھکرا دیا جاتا۔ مگر یہاں صورت ہی دوسری ہے۔ صدیوں سے ذہنوں میں ٹھنسے ہوئے عجمی اور سبائی مورخوں کا مفروضہ! ملکدیہ اور مزعومہ تخلیقی نظریات کو ہی حرف آخر سمجھ لیا گیا ہے۔

حقائق سے انحراف یا انکار صریحاً ان عجمی نژاد تو مسلم تاریخ بگاڑنے والے بدطینوں کی تائید ہے۔ جو بدو اسلام سے لیکر آج تک صریحاً اسلام کے دشمن چلے آرہے ہیں۔



تمہید :-

سیدنا حسنؓ کی ذاتِ اقدس عالمِ اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم رحمت تھی۔ اگر سیدنا حسنؓ کو مثیلِ صدیق اکبرؓ کہا جائے تو بجا ہے حضورِ صادق و مصدوقؐ کی وفات کے بعد جس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ نے کفار، مشرکین، منافقین اور مدعیانِ نبوّت کی یلغاروں کے سامنے بند باندھ کر عالمِ اسلام کو سنبھالا دیا تھا اسی طرح سیدنا حسنؓ نے اس وقت عالمِ اسلام کو سنبھالا دیا۔ جب معرکہ ہائے جمل و صفین نے اسلام کے شیرازہ کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

سیدنا علیؓ کی ٹکر کے جانباز معرکہ جمل و صفین کے دوران ہی قیصر و کسریٰ کے سروں پر کوندنے والی تلواریں میانوں میں کر چکے تھے۔

سیدنا حسنؓ دیکھ چکے تھے کہ معرکہ ہائے جمل و صفین میں صحابہ کرامؓ کی اکثریت سیدہ کائناتؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کے کیمپ میں ہے یا خانہ نشین ہو چکی ہے اور جو ایک آدھ سیدنا علیؓ کے کیمپ میں تھا بھی وہ بھی معرکہ نہروان کے بعد اپنے آپ کو یہ سمجھنے پر مجبور پا رہا تھا کہ کل جو تلواریں علیؓ کا ساتھ دے رہی تھیں آج ان کا رُخ علیؓ کی طرف کیوں ہو رہا ہے۔ واقعہ تحکیم کے بعد ایسا سوچنے والے افراد یہ سوچنے پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھ رہے تھے کہ علیؓ اگر خلیفہ حق تھے تو انہوں نے تحکیم کو تسلیم کیوں کیا ؟ سیدنا ذوالنورینؓ کی طرح اپنے موقف پر قائم کیوں نہ رہے اور "تحکیم" نے انہیں خلافت سے معزول کر دیا ہے تو ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا کیا مطلب جو لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ خوارج کے وہ معتقدات جن کی وجہ سے آگے چل کر ملت نے انہیں خارج از اسلام قرار دیا بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اس وقت اہل سنت یا شیعہ

یا خارجی کا تصور تک موجود نہ تھا۔ یہ بہت بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحیں ہیں۔ اور شیعیت یا خارجیت میں معتقدات کی رنگ آمیزی بہت ہی بعد میں ہوئی۔

سیدنا حسنؓ کے سامنے یہ تمام مناظر موجود تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت عالم اسلام کے جلیل القدر افراد کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو چکی ہیں۔ ان کے سامنے اپنے حقیقی چچا سیدنا عقیل بن ابی طالب کا کردار موجود تھا کہ وہ حقیقی بھائی سیدنا علیؓ کی پالیسیوں سے دل برداشتہ ہو کر سیدنا معاویہؓ کے کیمپ میں جا چکے تھے۔

سیدنا حسنؓ تو شروع سے ہی اپنے گرامی قدر والد کی پالیسیوں کے ہمنوا نہ تھے۔ جب سیدنا علیؓ کو قاتلین عثمانؓ نے اپنے بچاؤ کے لئے مدینہ کے بجائے کوفہ کو دار الخلافہ بنانے کی سازش کے تحت مدینہ چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ تو سیدنا حسنؓ نے اپنے جلیل القدر باپ کو اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ آپ مدینہ میں رک گئے۔ اور مجبور ہو کر بعد میں ربذہ کے مقام پر اپنے باپ سے جا کر ملے۔ سیدنا حسنؓ کو خوب معلوم تھا کہ میرے باپ کے کیمپ کے کرتا دھرتا وہ لوگ ہیں جن کی تلواروں سے ابھی تک سیدنا ذوالنورینؓ کے خون کے قطرات ٹپک رہے تھے۔

یہی وجوہات تھیں کہ اول سے آخر تک سیدنا حسنؓ اپنے آپ کو سیدنا علیؓ کی پالیسیوں سے ہم آہنگ نہ کر سکے۔ معرکہ جمل میں سیدنا محمد بن طلحہؓ کی لاش کا سر گود میں لے کر بیٹھے دیکھ کر حضرت علیؓ کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں۔

اس انارکی اور افراتفری کی سی کیفیت میں لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگانیوالوں نے نہروان کے مقام پر شکست کے بعد ایک خطرناک فیصلہ کیا۔ اور اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تین افراد کو منتخب کیا گیا کہ وہ بیک وقت علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص کو قتل کر دیں۔ جملہ ہوا جس میں علیؓ شہید ہو گئے مگر معاویہؓ و عمروؓ بچ نکلے۔

زیر نظر کتاب میں اسی بطل جلیل اور رجل عظیم کی زندگی کے صحیح حالات پیش

کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس نے امتِ مرحومہ کے جاں بلب جسم کو حیات نو بخشنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ ہم اس کے عظیم کارنامہ سے بے خبر نہ سہی مگر احسان فراموش ضرور ہیں۔

آج ہم میں ایسے لوگوں کی تو اکثریت موجود ہے جو اس عظیم ہستی کے متعلق عجمی نژاد نو مسلم مورخوں کی خیال آفرینیوں پر مشتمل خرافاتی داستانوں اور افسانوں سے تو واقف ہیں مگر اس کی زندگی کے حقیقی خد و خال سے واقف نہیں۔

اور جبکہ حقیقت آپ کے سامنے آ رہی ہے تو یہ حقیقت چونکہ آپ کے ذہن میں بیٹھے ہوئے خرافاتی نظریات سے ذرا مختلف ہے اور آپ میں سچ کہنے، سچ سننے اور سچ دیکھنے کی صلاحیتیں تقریباً تقریباً نذرِ سبائیت ہو چکی ہیں اس لئے پہلی نظر میں ضرور یہ حقائق کھٹکیں گے۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو
زاھق ولکم الویل مما تصفون (الانبیاء: ۱۸)

حضور صادق و مصدوق کی اپنی اولاد سے محبت

حضور صادق و مصدوق ؐ کی تمام اولاد ذکور بچپن ہی میں فردوس بریں کو سدھار گئی۔ بیٹیوں میں سے سیدہ رقیہ الزہراؓ عین غزوہ بدر کے موقع پر اس دنیا سے تشریف لے گئیں اسکے بعد سیدہ زینبؓ اور سیدہ اُم کلثومؓ بھی یکے بعد دیگرے چل بسیں۔ گویا تمام اولاد میں سے صرف سیدہ فاطمہؓ آنکھوں کے سامنے آخری وقت تک موجود رہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آٹھ اولادوں کا یُوں یکے بعد دیگرے آنکھوں سے اوجھل ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ کی تمام پدرانہ شفقتوں کا محور صرف سیدہ فاطمہؓ کی ذات ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی طرح سے نواسے اور نواسیوں میں سے بھی سیدنا حسنؑ اور حسینؑ سے بے پناہ محبت تھی اور اس محبت کی چند اور وجوہات بھی تھیں۔

سیدہ زینب صلوات اللہ علیہا جنہیں آنحضرتؐ نے ھی افضل بناتی کے لقب سے افتخار بخشا تھا۔ ان کے لخت جگر سیدنا علیؓ بن ابی العاصؓ کو فتح مکہ کے روز اپنا ردیف بنانے اور کعبہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کی عزت بخشی۔

یہ وہی علیؓ بن ابی العاصؓ تھے جنہوں نے غزوہ یرموک میں سالار لشکر سیدنا ابو عبیدہ کو سے

بُو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہو چکا مرے صبر و سکوں کا نام

کہتے ہوئے کفار پر حملہ کیا اور عین عنفوان شباب میں فردوس بریں کو سدھار گئے۔

سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہؐ کی دوسری اولاد سیدہ امامہؓ تھیں جن کے متعلق ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نماز کے وقت انہیں اپنے کندھے پر بٹھا لیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب الرحمۃ بروایت ابی قتادہ) نیز دیکھیے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا حمل جاریۃً اور صحیح مسلم باب جواز حمل الصبیان فی الصلوٰۃ) اور سجدہ کرتے وقت اتار کر رکھ دیا کرتے تھے۔ انہی سیدہ امامہؓ کے متعلق ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک روز آنحضرتؐ باہر سے تشریف لائے تو آپؐ کے ہاتھ میں خزف کا ایک ہار تھا اور آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ ہار اپنی سب سے زیادہ محبوب اولاد کو پہناؤں گا۔ سیدہ امامہؓ کی آنکھیں اس وقت کیچ آلود ہو رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے وہ کیچ صاف کی اور ہار اُنہیں پہنا دیا۔

سیدہ فاطمہؓ نے انتقال کے وقت سیدنا علیؓ کو انہی امامہؓ کے متعلق وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد ان سے نکاح کر لینا۔

سیدہ رقیۃ الزہراؓ کے بطن سے سیدنا عبداللہ پیدا ہوئے جو طویل عمر پا کر فوت ہوئے اور ان کی اولاد آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ مگر سبائیت نے یہ شوشہ چھوڑ کر انہیں بچپن میں ہی دُنیا سے چلتا کیا کہ بچپن میں ایک مُرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ ماری اور وہ اسی صدمہ سے جان بحق ہو گئے۔

حالانکہ سیدنا عبداللہ جوان ہوئے۔ شادی کی اور صاحب اولاد ہو کر فوت ہوئے ان کی اولاد کے تفصیلی حالات سید عبدالقادر شاہ المعروف سید عبدالستار شاہ مرحوم نے اپنی شہرہ آفاق تالیف آل رقیۃ الزہراء میں بڑی تفصیل سے قلمبند کئے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

کہ عثمانِ عفاں پسر داشتہ | بدُنیا خطابِ شہی یافتہ
ابوالنور[۱] شہنشاہِ نامور | کہ راضی بروا ایزدِ دادگر

---

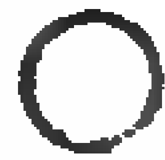
[۱] نام عبداللہ بن رقیۃ الزہراؓ کنیت ابوالنور اور آپ کا لقب شرف الدین تھا (صفحہ ۵۲)

برآمد از و زین العابدین — سہ گوہر برآمد از و بالیقین
یکے شاہ عباس اطراف گرد — دوم شاہ محمد بدخشاں نورد

آج بھی مظفرآباد اور بالائی ہزارہ کے ضلعوں میں سیدنا عبداللہ کی اولاد کے پاس اپنے خاندانی شجرے موجود ہیں ۔

سیدنا ذوالنورین رض
|
عبداللہ اصغر
|
امام زین العابدین
|
امام محمود — بدخشان کے حاکم ہوئے۔
|
سلطان ادھام
|
امام کاشف — خراسان سے ہجرت کرکے مظفرآباد میں مقیم ہوئے۔
|
امام قاسم — موجودہ مظفرآباد سے بالمقابل چھیم درنگ میں حکمران ہوئے ۔

تفصیلی حالات کے لئے آل رقیۃ الزہرا دیکھیے ۔ مگر بد باطن مورخین کی دسیسہ کاریوں نے رقوی سادات کا نام ہی تاریخوں سے مٹا دیا ۔ اور عبداللہ اصغر کے بیٹے زین العابدین کی بجائے حضرت حسینؓ کے بیٹے علیؒ کو زین العابدین بنادیا ❊



سیّدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ سے آنحضرتؐ کی محبت کا پس منظر!

گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی اولاد ذکور بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔ سیّدہ فاطمہؓ کے علاوہ باقی تین بیٹیاں بھی یکے بعد دیگرے چل بسیں۔ اب آنکھوں کے سامنے صرف سیّدہ فاطمہؓ رہ گئیں۔ آٹھ اولادوں میں سے صرف ایک کا باقی رہنا گویا تمام کی محبتوں کا سمٹ کر ایک کی ذات میں مرکوز ہو جانا تھا۔

دوسرے دو داماد یعنی سیّدنا ابی العاصؓ بن ربیع رئیس ابن رئیس تھے۔ ان کی مالی حالت قابل رشک تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اپنی اچھی خاصی جائداد پیدا کر لی تھی۔ سیّدہ زینبؓ سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ سیّدہ زینبؓ کی وفات پر انہوں نے ایک بڑا پُر درد مرثیہ لکھا تھا جس کے دو شعر ہیں:

ذکرت زینب لما رکبت ارما
نقلت سقیاً شخصاً یکن الحرما

(مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا حرم کا ہر باشندہ شاداب ہے۔

بنت الامین جزاھا اللہ صالحۃ
وکل بعل سیثنی بالذی علما

زینبؓ تو امین کی بیٹی صالحہ ہے۔ اور ایک شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرے گا۔ جیسے اوصاف کہ مجھے اس کے معلوم ہیں)

سیّدہ زینبؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ اور سیدہ امامہؓ ہی ان کی محبت کا

مرکز دمحور بن کردہ گئے تھے اس وجہ سے آنحضرتؐ کے ان نواسوں کو بہت کم اپنے نانا کے حضور میں حاضر ہونے کا وقت ملتا تھا۔ سیدنا ذوالنورینؓ کے بیٹے سیدنا عبداللہؓ بھی رئیس ابن رئیس تھے۔ اور پھر سیدنا ذوالنورینؓ کی شفقت نے انہیں اپنے نانا کے حضور میں حاضر ہونے کا بہت کم وقت دیا۔

۳۔ ان کے مقابلہ میں سیدنا علیؓ کی مالی حالت نہایت سقیم تھی اور مفلسی کے باوجود ان کے گھر یلو حالات چنداں خوشگوار نہ تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر بخاری اور ابو داؤد نیز شیعہ کتب کی روشنی میں واضح کیا جائے گا۔ تو ان حالات میں سیّدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کا اکثر وقت کاشانۂ نبوت میں گزرتا تھا۔

ان حالات کی موجودگی میں ان کا تذکرہ بار بار روایات میں آنا ایک قدرتی اور لازمی امر ہے جس سے نتیجہ اخذ کر لیا گیا کہ آنحضرتؐ کو صرف ان سے ہی محبت تھی بلکہ بات کو بڑھا کر اس قسم کی کذب وافتراء پر مشتمل داستانیں تراشی گئیں کہ سوائے سیّدہ فاطمہؓ کے نبی علیہ السلام کی کوئی اور بیٹی سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

۴۔ معرکہ ہائے جمل وصفین کے بعد جب سادات بنو امیہ نے تخت خلافت کو زینت بخشی تو وہ ہمہ تن فتوحات میں منہمک ہو گئے۔ امیر المؤمنین ولیدؒ بن عبدالملکؒ کے زمانے میں جنود اسلامیہ مغرب میں موسیٰ بن نصیر کی سرکردگی میں مراکش تک۔ شمال مشرق میں قتیبہ بن مسلمؒ کی سالاری میں چین کی سرحدات تک اور مشرق میں محمد بن قاسم کی کمان میں ملتان تک پہنچیں۔ اس دور میں عجمی نژاد برائے نام نومسلم تاریخ نویسی میں منہمک تھے۔ یہ لوگ قاتلین عثمانؓ کے ان بقیۃ السیف افراد کی اولاد کے پروردہ تھے۔ جن کی وجہ سے ہی جمل وصفین میں کم وبیش ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ الغرض ان لوگوں نے حب علیؓ کے منافقانہ نعروں کی گونج میں مزعومہ اہل بیت کی مدح وثنا میں باقی تمام صحابہ کرامؓ کو جی بھر کر رگیدا۔ اس دور میں ہی سیدنا علیؓ اور حضرات حسنینؓ کی مدح وثنا میں لاکھوں روایات وضع کی گئیں۔ مگر یہاں بھی ان لوگوں کی چابکدستی ملاحظہ ہو کہ سیدنا علیؓ

کی اولاد میں سے صرف سیدنا حسینؑ کے فضائل میں ہی داستانیں تیار کی گئیں اور کسی حد تک سیدنا حسنؑ کی شان میں مگر سیدنا علیؓ کی باقی اولاد کا نام بھی ان کی کتابوں میں نہیں ملتا تھا۔

اس دور میں ہی آنحضرتؐ کی باقی صاحبزادیوں کے متعلق ان لوگوں نے اس حد تک مخالفانہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ سیدنا علیؒ (زین العابدین) بن سیدنا حسینؑ بھی ان کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

روایت ہے کہ عروہؓ مسجد نبوی میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ اس میں سیّدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا بنت نبی علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی آپ درس میں بیان فرمایا کرتے تھے ھی افضل بناتی یعنی زینبؓ میری بیٹی نہایت فضیلتوں والی ہے۔ آگے طحاوی کی زبان سے سنیئے: فبلغ ذلک علی بن الحسین بن علی فانطلق الی عروۃ فقال ما حدیث بلغنی عنک انک تحدثہ تنتقص فیہ حق فاطمۃ فقال عروۃ اما لعذ تلک لا احدثہ بہ الخ پس یہ خبر جب علی (زین العابدین) کو پہنچی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار لے کر مسجد نبویؐ میں عروہ پر حملہ آور ہوئے تو عروہ نے کہا میں آئندہ اس حدیث کا درس نہ دوں گا (مشکل الآثار جلد ۲ صفحہ ۴۵ بحوالہ آل رقیۃ الزہرا صفحہ ۴۰)

جہاں قرن اوّل میں ہی صرف اقتدار فاطمہؓ کے لیے ایک حدیث گم کی جا رہی ہے، اور خاص مسجد نبوی میں حضور صادق و مصدوقؐ کی دوسری صاحبزادیوں کی تعریف کرنے والے پر حملہ کیا جاتا ہے تو دوسرے مقامات کا خود اندازہ کر لیجئے یعنی سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد کی شان میں لوگوں سے جبراً فضائل بیان کرائے جاتے ہیں اور آنحضرتؐ کی دوسری اولاد کے فضائل بیان کرنے والوں پر حملے کئے جاتے ہیں۔

اور آج کے وہ نیم مُلا جنہیں اپنی معروف معنوں میں علمیت کا بڑا زعم ہے

محراب و منبر سے گلے پھاڑ پھاڑ کر سبائیت سے بھی کئی گز آگے ہاتھ مارتے نظر آتے ہیں۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہ لوگ کس قدر ڈھٹائی سے اپنے خطبات میں حضرات حسنینؓ کو گلے پھاڑ پھاڑ کر سید الشباب اھل الجنۃ کے خطابات سے نوازتے ہیں۔ انہیں اس قدر بھی معلوم نہیں کہ جنت میں پیغمبر بھی ہوں گے اور سابقون الاوّلون بھی عشرہ مبشرہ بھی ہوں گے اور اصحاب بدر اور اصحاب شجرہ بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی علیہ السلام اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ بھی۔ مگر ان سب کی سرداری کا تمغہ یہ عقل کے بیدل، خرد و دانش سے بے گانے دو نابالغوں کے سر باندھ۔۔۔ رہے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

حضرات حسنینؓ کے فضائل میں وضعی روایات کی کثرت کی وجوہات

ایرانی اور رومی علاقوں کی فتح کے دوران غلام مدینہ میں پہنچنے شروع ہوئے سیّدنا فاروق اعظمؓ ہرگز مدینۃ النبیؐ میں غلاموں کا قیام پسند نہ کرتے تھے۔ مگر فتوحات کی کثرت کاموں کی زیادتی اور بے پناہ مصروفیتوں نے انہیں اس کام کی طرف توجہ کا موقع نہ دیا۔ کہ انہیں کہاں اور کیسے مدینہ سے نکالا جائے۔ ان کی تعداد بڑھتی رہی صحابہ کرامؓ میں سے صرف سیّدنا علیؓ کا ہی مستقل قیام مدینہ میں تھا اسلیئے فاروق اعظمؓ نے ان غلاموں کے کیمپ کا انتظام آپ کے حوالے کر دیا۔ نتیجتہً غلام لوگ سیدنا علیؓ کے حسنِ اخلاق سے ان کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ انہی میں سے ایک نے فاروق اعظمؓ کو شہید کر دیا۔ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ سیدنا علیؓ کے ہمنوا اور ثنا خوان ہوتے چلے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدینہ میں سوائے سیدنا علیؓ اور ان کی اولاد کے ان غلاموں کی نظروں میں کوئی شخصیت قابل تعریف نہ رہی اور سیدنا فاطمہؓ کی اولاد ہونے کے ناطہ سے سیدنا علیؓ کی باقی اولاد کے مقابلہ میں حضرت حسنینؓ دینی اور سیاسی طور پر قدآور ہوتے چلے گئے۔

چنانچہ موضوعات کبیر کے الفاظ ہیں:۔

وضعت الرافضۃ فی فضائل علی واھل البیت نحو ثلاث مائۃ الف حدیث (صفحہ ۱۰۶)

یعنی روافض نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل سے متعلق تین لاکھ کے لگ بھگ روایتیں بنائیں۔

موضوعات کی بنیاد اسی مادہ پر رکھی گئی اور اس کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص اور دیگر بنو امیہ خصوصاً امیر یزیدؒ اور حضرت ولیدؒ اور حضرت مروانؓ بن حکم کی بُرائی اسی طرح خلیفہ منصور اور سفاح کی تعریف کی روایات بھی جھوٹی اور وضعی ہیں۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۱۰۶) اور نوبت بایں جا رسید کہ آج بزعم خویش بڑے بڑے قد آور قسم کے شیخ الحدیث انامدینۃ العلم وعلی بابھا اور النظر الی وجہ علی عبادۃ اور سید الشباب اھل الجنۃ کی قسم کی وضعی روایات کو اپنے خطبات و مواعظ میں بڑے دھڑلے سے بیان کرتے ہوئے ذرّہ بھر حیا یا شرم محسوس نہیں کرتے۔

کیا حضرات حسنینؓ صحابی تھے؟

آج ہر مسلمان اندھا دھند اس بات کی رٹ لگائے جا رہا ہے کہ حضرات حسنینؓ صحابی تھے۔ یہاں عوام کا ذکر نہیں۔ اس غلط ادعا کی غلطی کا مرتکب طبقہ علماء کا وہ گروہ ہے جو بزعم خویش معروف معنوں میں عالم ہونے کا مدعی ہے اور اس کا تمام علمی حدود اربعہ چند عربی کی کتب کے ترجمہ تک محدود ہے۔ تحقیق سے اُسے کوئی غرض نہیں اس کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ تقلیدی ذہن نے (تقلید فقہ حنفی کی ہو یا بخاری و مسلم کی) اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود کر رکھی ہیں۔ چونکہ اس مقام پر سیدنا حسنؓ کی سیرت قلمبند کرنے سے پہلے اس قسم کے امور کی وضاحت نہایت ضروری ہے اس لئے ارباب علم و خرد کے سامنے ان حقائق کا پیش کرنا نہایت ضروری

ہے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصاحبت کے لئے کم از کم سن شعور دتمیز لازمی ہے۔ اسی لئے مولف طبقات یعنی ابن سعد نے ان تمام افراد کو تابعین میں شمار کیا ہے جن کی عمریں نبی علیہ السّلام کی وفات کے وقت، نو دس سال کی تھیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہؓ بن عامرؓ کی عمر پانچ سال تھی (طبقات جلد ۵ صفحہ ۲۷)

۲۔ عبدالرحمٰنؓ بن زیدؓ بن الخطاب کی عمر اس وقت چھ سال تھی (طبقات جلد ۵ صفحہ ۷۱)

۳۔ سعیدؓ بن ابی العاصؓ نو سال کے تھے (طبقات جلد ۵ صفحہ ۴۶)

۴۔ عبدالرحمٰنؓ بن الحارث دس سال کے تھے (طبقات جلد ۵ صفحہ ۲۳)

۵۔ مسعودؓ بن مخرمہ کی عمر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت چھ اور آٹھ سال کے درمیان تھی (حاشیہ جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۲۱۸)

اس قسم کے بیسیوں شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں کہ جن اصحاب کی عمریں نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت ۹-۱۰ سال تک تھیں ان سب کو تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ واطلق جماعتہ ان من رای ..... یکون تابعاً۔ اور ایک جماعت نے صحابیت کو اس درجہ عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہ کہتی ہے کہ جس نے بھی رسول اللہؐ کو دیکھا وہ صحابی ہوا تو یہ عموم دا طلاق در اصل محمول ہو گا اس بات پر کہ وہ دیکھنے والا سن تمیز کو پہنچ چکا ہو۔ اس وجہ سے کہ اگر وہ سنِ تمیز کو ہی نہ پہنچا ہو تو روایت کی نسبت اس کی طرف درست نہ ہو گی [۱]

---

[۱] اگر ابن حجر کا یہ کہنا درست تسلیم کیا گیا ہے تو پھر اس وضعی روایت پر اس قدر کھینچا تانی اور ذہنی ورزشوں کی کیا ضرورت تھی جو "حدیث قرطاس" کے نام سے متداول ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی تعمق نظری سے کام لیا جاتا تو صاف نظر آتا کہ "حدیث قرطاس" وغیرہ کی داستان سراسر وضعی ہے۔ تصور کر آگے بڑھائیے اور دیکھیے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت صحابہ کرامؓ کے دلی جذبات کیا ہوں گے۔ محرم لوگ حجرہ کے اندر موجود ہوں گے سینکڑوں جاں نثار پروانہ وار مسجد نبوی اور باہر گلیوں میں گوش بر آواز ہوں گے۔ ایسے وقت میں نبی علیہ السلام کا غذ قلم دوات طلب فرماتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اس نے رسول اللہؐ کو دیکھا تھا پس اس دیکھنے کی نسبت سے اسے صحابی کہا جائے گا۔ مگر روایت کے معاملہ میں اس کا درجہ و مقام تابعی کا ہو (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ا صفحہ ۵) سعید بن مسیب کہتے ہیں۔ کہ وہ لوگ زمرہ صحابہ میں شمار نہیں کئے جا سکتے جنہوں نے کم از کم ایک سال یا کچھ زائد نبی علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔ یا آنحضرتؐ کے ساتھ ایک یا زائد غزوے نہ کئے ہوں (فتح الباری جلد ے صفحہ یعنی بلوغ تو کجا دو چار بلکہ آٹھ دس ماہ کی صحبت و مجالست بھی اصطلاحی صحابیت کے لئے سند نہیں۔

سیدنا انسؓ کے ذکر کے ضمن میں ابن حجر کہتے ہیں ومن اشترط الصحبۃ الخ.... اور جنہوں نے صحبت عرفیہ کو مشروط کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو صحابیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ جن کو نبی علیہ السلام کی صرف زیارت نصیب ہوئی۔ یا جو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تو ہوئے مگر جلد ہی جدا ہو گئے جیسا کہ سیدنا انسؓ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا اس وقت آپ کے علاوہ کوئی اور صحابی بھی زندہ موجود ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں۔ حالانکہ اس وقت ایسے دیہاتی کثیر تعداد میں زندہ موجود تھے جنہوں نے نبی علیہ السلام کی زیارت کی تھی (فتح الباری جلد ے صفحہ ۲ مصری)

مگر سیدنا حسنؓ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت اتنے خورد سال تھے کہ انہیں نبی علیہ السلام کا حلیہ بھی یاد نہ تھا۔ سیدنا حسنؓ خود فرماتے

مگر سوائے ایک ۹-۱۰ سالہ کم عمر بچے یعنی عبداللہ بن عباسؓ کے بغیر کوئی نہیں سنتا۔ اس روایت کا خالق کوئی بڑا ذہین قسم کا انسان تھا۔ جس نے ایک ۹-۱۰ سالہ بچے کی طرف ایک واقعہ منسوب کر کے امت میں وہ بھبوندر چھوڑی جو آج تک موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ مگر کسی اللہ کے بندے کو یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کہ اس طفل صغیر کے علاوہ کسی اور نے بھی نبی علیہ السلام کے کلمات سنے تھے۔

2165 4

ہیں کہ میں اپنے ماموں سیدنا ہندؓ بن ہالہ سے نبی علیہ السلام کا حلیہ دریافت کیا کرتا تھا۔
میں چاہتا تھا کہ وہ اس میں وہ باتیں بیان کریں جو مجھ سے تعلق رکھتی ہیں۔
طبرانی فی الکبیر الانساب والاشراف جلد ا صفحہ ۲۸۶)

ان حقائق و شواہد کی روشنی میں حضرات حسنینؓ کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے۔ یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنینؓ کو زمرۂ تابعین میں ہی شمار کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ

نام ——— حسنؓ

کنیت ——— ابو محمد

لقب ——— ریحانۃ النبی

سالِ ولادت ——— آخر ۷ ہجری یا شروع ۸ ہجری

حضرات حسنینؓ کے سنین ولادت کے متعلق آج تک تحقیقی انداز میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس سلسلہ میں جو ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے وہ تمام کا تمام غلط ہے چنانچہ تاریخ اسلام حصہ اوّل مولفہ شاہ معین الدین ندوی صفحہ ۳۷۹ میں مرقوم ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت سیدنا حسنؓ کی عمر ۸ سال تھی۔ جب ندوہ والوں کا یہ حال ہے تو بدیگراں راچہ رسد۔ چنانچہ اسی قسم کی غلط العام روایتوں کے مطابق عترتِ رسولؐ کی تالیف کے وقت میں بھی اس غلط بیانی سے دامن کو نہ بچا سکا۔

چونکہ عرب میں اشخاص کے سنین ولادت کو محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ اور دنیائے سبائیت کو مطلوب تھا کہ حضرات حسنینؓ کو زمرہ صحابہؓ میں شامل کیا جائے۔ اس لئے پہلے پہل کسی ایک نے سیدنا حسنؓ کا سن ولادت ۲ یا ۳ ہجری لکھ دیا۔ اور اس کے بعد آنے والوں نے بغیر کسی تحقیق کے مکھی پر مکھی مارنے کو ہی وجہ فضیلت سمجھا۔

عجمی نژاد مورخین کی دسیسہ کاریاں ملاحظہ ہوں کہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر بوقت رخصتی ۱۷-۱۸ سال کو گھٹا کر ۸-۹ سال بنا دیا۔ اور سیدنا حسنؓ کی عمر جو نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت ۳-۴ سال تھی ۸-۹ سال بنا دی۔ اور ہمارے بزعم خویش معروف معنوں میں علماء کرام آج تک انہی کی ہی الاپتے چلے آرہے ہیں۔[۱]

---

[۱] ام المومنین صدیقہ کائناتؓ کی عمر رخصتی کے وقت کسی صورت میں ۱۸-۱۹ سال سے کم نہ تھی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرات حسنین رض کے سنین ولادت کے تعین کے لئے ہمیں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رض کی عمر اور تاریخ نکاح کی طرف توجہ کرنا ہوگی۔ تاکہ ان حقائق کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

سیدہ فاطمہ رض کب پیدا ہوئیں اور ان کا نکاح کب ہوا

سیدہ فاطمہ رض اور سیدۃ النساء العالمین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رض کی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ہم اپنی تالیف صدیقہ کائنات رض میں اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ صدیقہ کائنات کی تالیف سے پہلے ہم چند مذہبی رسائل میں بھی اس بات کا ذکر کر چکے تھے۔ اور کتاب کی تالیف کے بعد ہم نے ارادتاً مسودہ ملک کی اہم دینی شخصیتوں تک پہنچانے کی کوشش کی اور خود بھی جہاں تک پہنچ سکے ان مباحث سے اپنی ہمت کے مطابق احباب کو دعوت تبادلہ خیالات دی۔ الحمدللہ کہ ایک مقام سے بھی ہماری تحقیق کے خلاف کوئی آواز سنائی نہ دی بلکہ سب نے ہماری اس تحقیق کی داد دی مگر باوجود کتابت کے مراحل طے ہو جانے کے کتاب بوجوہ طبع نہ ہو سکی۔ کہ اچانک یہ آواز کانوں میں پہنچی کہ ادارہ الاعتصام لاہور نے سیدہ صدیقہ رض کی عمر کے متعلق ایک تحقیقی کتاب شائع کی ہے یہ سن کر ازحد خوشی ہوئی کہ شاید اس میں کوئی نئی بات ہو گی لمور صدیقہ کائنات رض" کی تالیف میں ہم سے اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کا سامان بہم پہنچا دیا۔ کتابچہ مذکور فوراً منگوایا اور کئی بار اول سے آخر تک پڑھا معلوم ہوا کہ ہم "صدیقہ کائنات رض" میں حضرت ام المومنین رض کی عمر کے متعلق جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔ کتابچہ دیکھ کر اس بات سے ازحد دکھ ہوا۔ کہ مرتب اپنی افتاد طبع 'محدود علمیت اور تقلیدی ذہن (تقلید مقلدین ائمہ اربعہ کی قسم ہو یا بخاری و مسلم کی) کی وجہ سے چٹخارہ بازی میں تو تاک ہیں مگر تحقیقی دنیا کی ابجد سے بھی واقف نہیں یہ کتابچہ مولوی محمد علی لاہوری مرزائی اور سید سلیمان ندوی کی خط و کتابت پر مشتمل ہے۔ اور سید صاحب کے ابتدائی تالیفی دور کے مقالات پر مشتمل ہے جب سید صاحب نبی علیہ السلام معراج روحانی کے قائل تھے اور طَآئِفَتٰنِ اقْتَتَلُوْا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں دوسرا گروہ عبداللہ (ربانی)

بید الیش بعثت نبوی سے پانچ یا چھ سال پہلے ہوئی دونوں کا نکاح یعنی رخصتی میں بھی معمولی سا فرق ہے اور حالات کی ستم ظریفی کہ دونوں کی عمروں کے متعلق آج تک کسی مورخ، سیرت نویس، محدث یا محقق نے تحقیق سے کام نہیں لیا۔ سیدہ صدیقہ کا کی عمر کے متعلق ہم اپنی تالیف "صدیقہ کائنات" میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ اس مقام پر سیدہ فاطمہ کی عمر کے متعلق تحقیقی طور پر بحث کرتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ "نام نہاد محبان اہل بیت" کی تحقیق سے بھی قارئین کو روشناس کرایا جائے۔ کوئی صاحب ہیں سید امداد حسین کاظمی اور اپنی شخصیت کو قد آور بنا کر دکھانے کے لئے اپنے نام کے ساتھ صدر ادارہ معارف اسلام لاہور کا لاحقہ بھی چسپاں کئے ہوئے ہیں۔ ان کی ایک تالیف کا نام ہے "اخلاق المعصومین" اس میں حضرت سیدہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ رسول کی اکلوتی بیٹی تھیں ...

(بقیہ حاشیہ) ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کو سمجھتے تھے اور شعب بنو ہاشم کو شعب ابی طالب سمجھ رہے تھے۔ یہاں اس بحث کا موقع ہے نہ محل یہ چند یا بنس اشارات کے طور پر زیر قلم آگئی ہیں۔ الحمد للہ کہ ہمیں "صدیقہ کائنات" کے آخر میں استدراک کے عنوان سے اس کتابچہ کے متعلق کچھ لکھنے کا وقت مل گیا۔ ورنہ ادارہ الاعتصام کی قسم کی دنیا اپنی عادت کے مطابق یہ آوازیں آتی رہتی ہیں کہ ہم نے تنقید و تعاقب میں فلاں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے اس بحث کو دیکھنے کے لئے "صدیقہ کائنات" کا مطالعہ کیجئے۔

۵ شیعہ مذہب کی تمام امہات الکتب میں نبی علیہ السلام کی چار بیٹیوں کا ذکر موجود ہے ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ فارسی جلد ۲ صفحہ ۵۱۸۔ جلاء العیون اردو جلد ا صفحہ ۱۶۳۔ حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۲، ۱۳۰، ۱۴۸ و ۵۶۰ مطبع نولکشور۔ مجالس المومنین صفحہ ۸۶-۸۷+ فروع کافی مترجم طبع کراچی صفحہ ۲۰۲، ۲۱۷۔ تذکرۃ المعصومین طبع یوسفی دہلی صفحہ ۶۔ اصول کافی باب مراد النبی کتاب الخصال صفحہ ۳۷۵۔ باب الشیعہ کی حدیث صفحہ ۱۱۵۔ نہج البلاغہ مصری جلد ۲ صفحہ ۸۵ فیض الاسلام صفحہ ۵۱۹۔ قرب الاسناد صفحہ ۶ آخری سطر۔ مرآۃ العقول شرح الاصول الفروع جلد

(باقی)

اور آپ کی کنیت ام الائمہ، ام الحسن، ام الحسنین، ام السبطین اور ام ابیہا تھی۔ آپ کا روز ولادت جمعۃ المبارک ۵ بعثت نبوی ۲۰ جمادی الآخر اور عمر صرف اٹھارہ سال تھی (اخلاق المعصومین صفحہ ۳۴)

اس مقام پر عمر کی بحث سے قطع نظر جو اسرار و رموز ام ابیہا میں پوشیدہ ہیں ان سے قارئین کے معلومات میں اضافہ کی زیادہ ضرورت ہے " ام ابیہا " کے لفظی معنی اپنے باپ کی ماں ہیں اور یہ سوقیانہ پھبتی ہمارے ہاں بھی ایسی لڑکیوں کے متعلق طبقہ جہلا میں مروج ہے جن کی شادی بالغ ہونے پر بھی نہ ہو سکے۔

ایک طرف تو یہ ذات شریف حضرت سیدہ کی ولادت ۵ بعثت میں بیان کرتا ہے اور چونکہ غزوہ احد کے معاً بعد یعنی بقول اس کے دس سال کی عمر میں نکاح ہو جاتا ہے تو پھر ام ابیہا کا کیا مطلب؟ ایک اور محب اہل بیت کا دبا کھیان ملاحظہ ہو

بعضوں نے ۳۵ سال کی عمر میں وفات قائم کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سیدہ بیاہ کے بعد کل آٹھ برس زندہ رہیں۔ تو اس وقت لامحالہ انیس بیس بلکہ ستائیس برس کی ہونگی۔ بلکہ ایک روایت میں لکھ دیا ہے۔ کہ علیؑ و فاطمہؓ میں کل دو برس کی چھوٹائی و بڑائی تھی اور یہ امر قابل انکار نہیں کہ شیر خدا کا سن عقد کے وقت پچیس چھبیس برس کا ہو گا۔ یا کم سے کم بائیسواں برس ہو۔ کیونکہ بعثت کے وقت جناب امیر کی عمر بقول قوی بارہ اور بقولے دس اور بروایت ضعیف آٹھ سال کی تھی اور تیرہ برس بعد نبوت کے ہجرت ہوئی اور ہجرت سے دوسرے سال عقد ہوا۔ اس لحاظ سے سیدہ کی عمر بیس بائیس سال ہونی چاہیئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بھی خلاف ہے۔ قیاس میں نہیں آسکتا کہ رسولؐ بیٹی کو اس قدر بٹھائے رکھتے کہ سن

(بقیہ حاشیہ) تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ - تہذیب جلد ا صفحہ ۱۵۴ - کتاب شیعہ ترجمہ قرآن مقبول صفحہ ۸۴۹ + شیعوں کو چاہیئے کہ یا تو یہ تمام کتابیں جلا کر دریا برد کر دیں - اور یا فراخ دلی سے یہ تسلیم کرلیں کہ نبی علیہ السلام کی چار بیٹیاں تھیں -

ڈسل جائے اور حساب کی رُو سے بھی یہ قول خلاف ہے۔ ولادت سیدہ ۵ بعثت میں ہوئی۔ ہجرت کے وقت عمر ۸ سال تھی اور نکاح کے وقت دس سال ولادت امام حسنؓ کے وقت جو ۳ سنہ ہجری میں ہوئی۔ حضرت سیدہؓ کی عمر گیارہ برس کی تھی اقران السعدین صفحہ ۲۰) مجھے اس مقام پر یہ معمائی اور چیستانی و یا کھیان اس لئے دُہرانا پڑا کہ سیدہ کائنات رضؓ کی عمر بوقت رخصتی ۹ سال قرار دینے والے سیدہ فاطمہؓ پر بھی چنچارہ بازی سے باز نہ رہ سکے۔ چنانچہ وفات عائشہ رضؓ کا مولف لکھتا ہے کہ نامعلوم حضرت عائشہ رضؓ خلاف معمول ۹ سال کی عمر میں کیسے بالغ ہوگئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نکاح کے وقت نہ تو سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر چھ سال تھی اور نہ ہی سیدہ فاطمہؓ کی عمر دس سال تھی اور نہ ہی وہ ام ابیہا تھیں۔ یہ سب خرافات مجوس و یہود کی تیار کردہ سازشوں سے دینی سرمائے کا ایک حصہ بن کر ہمارے سامنے آیا ہے۔

سیدہ فاطمہؓ، سیدہ زینبؓ اور سیدہ رقیۃ الزہراؓ سے چھوٹی تھیں اور سیدہ ام کلثومؓ سے بڑی تھیں۔ سیدہ رقیۃ الزہراؓ غزوہ بدر کے موقع پر فوت ہوئیں۔ اور اس کے بعد جب سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح سیدنا عثمانؓ سے ہوا تقریباً انہی ایام میں سیدہ فاطمہؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے ہوا۔

۱- ملا باقر مجلسی کہتے ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ کی شادی غزوہ احد کے بعد ہوئی غزوہ احد ہجرت کے تیسرے سال شوال میں ہوا۔ اور حضرت سیدہؓ کا نکاح پنجشنبہ اکیسویں ماہ محرم کو ہوا۔ (جلاء العیون اردو جلد ا ص ۱۶۶) (افسوس کہ حضرت سیدہ کا نکاح تو محرم میں ہو اور ہمارے ہاں محرم میں ماتم ہوں مولف)

۲- انکحھا رسول اللہ علیہا ...... بعد وقعۃ احد (کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری جلد ا صفحہ ۵۳۲) یعنی نبی علیہ السلام نے سیدہ فاطمہؓ کا سیدنا علیؓ سے غزوہ احد کے بعد نکاح کیا۔

۳- ابن قتیبہ دینوری سیدہ ام کلثومؓ بنت سیدنا علیؓ جو سیدنا فاروق اعظمؓ کے نکاح میں آئیں کے متعلق لکھتے ہیں: واما ام کلثوم الکبریٰ وھی بنت فاطمۃ فکانت عند عمر بن الخطابؓ ولدت لہ ولداً قد ذکرنا ھم (المعارف صفحہ ۹۲) یعنی ام کلثوم کبریٰ جو سیدنا علیؓ کی بیٹی اور سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے تھیں۔ حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھیں۔ اور ان کے بطن سے اولاد بھی ہوئی۔ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۴- ابن حزم کہتے ہیں۔

وتزوّج ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ بنت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب فولدت لہ زیداً لم یعقب ورقیہ (جمہرۃ الانساب العرب صفحہ ۳۷-۳۸)

نبی علیہ السلام کی بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثومؓ دختر سیدنا علیؓ سے حضرت عمرؓ کا نکاح ہوا جس سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

یہ عبارت طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۶۲، طبری اُردو جلد ۳ صفحہ ۸۵ اور صفحہ ۲۴۸ پر مرقوم ہے۔

۵- مشہور شیعہ مجتہد محمد بن حسن طوسی لکھتا ہے۔ عن جعفر عن ابیہ قال ماتت ام کلثوم بنت علی وابنھا زید بن عمر بن الخطاب فی ساعۃ واحد (تہذیب الاحکام آخری جلد ۳۲۰)

حضرت جعفرؒ (صادق) اپنے باپ محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کی دختر سیدہ ام کلثومؓ اور ان کے لڑکے زید بن عمر بن الخطابؓ کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوا۔

تصریحات نمبر ۳ و ۴ اور ۵ سے معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہؓ کی پہلی اولاد سیدہ ام کلثومؓ تھی۔ اور اگر شادی سے نو ماہ بعد سیدہ ام کلثومؓ کی ولادت تسلیم کی جائے تو اس صورت میں سیدہ ام کلثومؓ کی تاریخ ولادت آخر رمضان

یا شروع شوال ۴ھ تسلیم کرنا پڑے گی - اور اگر سیدنا حسنؓ کی ولادت اس سے ایک سال بعد بھی تسلیم کی جائے تو ۵ ہجری شوال سے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔ مگر شوال ۵ ہجری بوجوہ محل نظر ہی نہیں بلکہ دیگر تصریحات کی موجودگی میں غلط ہے۔ ہاں اس بات کا تعین ضرور ہو گیا کہ حضرت سیدہ کا نکاح محرم ۴ھ میں ہوا - اور آپ کی پہلی اولاد سیدہ ام کلثومؓ تھی۔

سیدنا حسنؓ کی ولادت

عرب میں سنین پیدائش کو محفوظ رکھنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ سیدنا حسنؓ کی تاریخ پیدائش بھی ہمیں سیدہ کائناتؓ کی تاریخ پیدائش کی طرح خارجی شواہد سے متعین کرنا ہوگی -

۶ - مشہور شیعہ محقق ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ سات دن کے ہوئے تو نبی اکرمؐ نے عقیقہ میں دو ابلق گوسفند ذبح کئے اور سیدہ اسماءؓ بنت عمیس دایہ کو ایک ران اور ایک اشرفی عطا کی اور (امام) حسنؓ کے سر کے بال کٹوا کر برابر چاندی کے تصدق کر دیئے۔ (جلاء العیون ج ۱ صفحہ ۳۰۷) -

اب ہمیں اس مقام پر یہ دیکھنا ہے کہ سیدہ اسماءؓ بنت عمیس کون تھیں ؟ یہ صحابیہؓ سیدنا جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی زوجہ تھیں یعنی سیدنا علیؓ کی بڑی بھاوج تھیں جو اپنے جلیل القدر خاوند کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر گئی تھیں۔ سیدنا جعفرؓ نے ہی شاہ حبش کے دربار میں قریش مکہ کی شکایت پر اسلامی تعلیمات پیش کی تھیں۔ سیدنا جعفرؓ کئی سال حبشہ میں رہ کر فتح خیبر کے موقع پر واپس تشریف لائے تھے اور آپ کے واپس تشریف لانے پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ان دونوں نعمتوں میں سے کس پر زیادہ خوش ہوؤں خیبر کی فتح پر یا جعفرؓ کی واپسی پر۔ سیدنا جعفرؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حجاز مقدس سے باہر ایک غیر ملک میں تبلیغ اسلام کے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے آپ

کی واپسی کو خیبر کی فتح کے ہم پلہ قرار دیا۔
غزوۂ خیبر ۷ ہجری کے آخری مہینوں میں ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی ولادت ۷ ہجری کے آخر یا ۸ ہجری کے شروع میں ہوئی۔

۷۔ یہی باقر مجلسی بروایت ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان مدینہ آیا کہ حضرت رسول خداؐ سے امن طلب کرے تو جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا آپ شفاعت کیجئے مگر آپ نے قبول نہ کیا (حضرت ابوسفیانؓ کا سیدنا علیؓ کو اپنی شفاعت کے لئے کہنا محل نظر ہے۔ جبکہ سیدنا علیؓ کی نسبت مدینہ میں ایسے صحابی کافی تعداد میں موجود تھے جن کا مقام سیدنا علیؓ سے کہیں اہم تھا اور ان کے ساتھ حضرت ابوسفیانؓ کے حلیفی تعلقات بھی تھے۔ للمولف) جناب سیدہؓ پردہ میں تھیں اور امام حسنؓ ایک ماہ کے تھے اور گھٹنوں کے بل چلتے تھے (جلاء العیون جلد ا صفحہ ۲۳۶) یاد رہے کہ حضرت ابوسفیانؓ بھی غزوۂ خیبر کے بعد ہی مدینہ تشریف لائے تھے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کا سن ولادت آخر ۷ھ یا شروع ۸ھ ہے۔

۸۔ اب بخاری کی ایک روایت بھی سن لیجئے۔ سیدنا ابوموسیٰؓ اشعری کہتے ہیں کہ جب ہمارا قافلہ حبشہ پہنچا تو وہاں ہمیں جعفرؓ بن ابوطالب ملے ہم ان کے پاس رہے پھر ہم سب اکٹھے روانہ ہوئے اور نبی اکرمؐ کے حضور میں فتح خیبر کے وقت پہنچے اسماءؓ بنت عمیس جو ہمارے ساتھ آئی تھیں ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے یہاں مہمان ہوئیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۷)

۹۔ سیدنا جعفرؓ کی واپسی کی خوشی میں نبی علیہ السلام کے متعلق مشہور شیعہ مجتہد مجلسی لکھتے ہیں کہ بروز فتح خیبر جعفرؓ کی حبشہ سے واپسی کے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں نہیں جانتا کہ میں جعفر کی حبشہ سے واپسی پر زیادہ خوش و مسرور ہوں یا فتح خیبر پر (حیات القلوب ج ۲)
یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ سیدنا جعفرؓ کی واپسی کی روایات اور سیدنا حسنؓ

کی ولادت سے متعلق روایات پر شیعہ سُنی دونوں متفق ہیں۔

۱۰۔ اب ہم مشکوٰۃ اور طبقات ابن سعد کی روایات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

حضرت ام الفضلؓ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ایک خواب عرض کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رات کو آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈالا گیا۔ یہ سنکر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا یہ خواب بہت اچھا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ فاطمہؓ کے یہاں لڑکا ہوگا۔ اللہ نے چاہا تو وہ تیری گود میں رہے گا۔

چنانچہ جب سیدنا حسینؓ پیدا ہوئے تو آنحضرتؐ کی فرمائی ہوئی تعبیر کے مطابق وہ میری گود میں رہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳ ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۵۶)

سیّدہ ام الفضل، سیدنا عباسؓ کی زوجہ تھیں یعنی آنحضرتؐ کی چچی تھیں آپ اپنے شوہر سیدنا عباسؓ کے ساتھ ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائی تھیں اور اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ جہاں آپ نے یہ خواب دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا حسینؓ کی ولادت ۹ ہجری یا اس سے بعد ہوئی۔ چونکہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی عمروں میں کم و بیش سال بھر کا وقفہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی سیدنا حسنؓ کی ولادت غزوہ خیبر کے بعد ہی تسلیم کرنا پڑے گی۔

۱۱۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ کے صفحہ ۴۹ پر یہ روایت درج ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۶ ہجری غزوہ خیبر کے بعد ہوئی۔ ابن قتیبہ نے غزوہ خیبر کے بعد سیدنا حسنؓ کی ولادت کے متعلق صحیح لکھا۔ مگر آپ کو اس بارہ میں ذہول ہوا ہے کہ غزوہ خیبر ۶ ہجری میں ہوا تھا۔ غزوہ خیبر ۶ھ میں نہیں۔ بلکہ ۷ھ میں ہوا تھا۔

اب ان ندوی محققین کی تحقیق کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو نبی علیہ السلام

کی وفات کے وقت سیدنا حسنؓ کی عمر ۸ سال بیان کرتے ہیں۔ اور آپ کی ولادت ۲ھ بیان کرتے ہیں۔ طبرانی اور انساب کی ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت اتنے کم سن تھے کہ ان کو نبی علیہ السلام کا حلیہ مبارک بھی یاد نہ تھا۔

چونکہ نبی علیہ السلام کی تاریخ وفات ۹ ربیع الاول ۱۱ ہجری ہے اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت مندرجہ صدر تصریحات کے مطابق سیدنا حسنؓ کی عمر تین چار سال کے درمیان تھی۔

عہدِ طفولیت

انسان کے ذہن سے بچپن کے واقعات کا اثر موت تک زائل نہیں ہوتا اور انسان طبعاً باپ کی نسبت ماں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہوتا ہے سیدہ فاطمہؓ کی وفات کے وقت سیدنا حسنؓ کی عمر کم و بیش چار سال تھی۔ سیدنا علیؓ کے تعلقات سیدہ فاطمہؓ سے چنداں خوشگوار نہ تھے۔ والدین کے ایسے ناخوشگوار تعلقات کا اثر ساری عمر آپ پر رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ذہنی طور پر آپ تمام زندگی سیدنا علیؓ کے ہمنوا نہ ہو سکے۔

سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے تعلقات

مشہور شیعہ مولف جنہیں خاتم المحدثین کہا جاتا ہے یعنی ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں :

۱۔ بسند معتبر حضرت امام محمد باقر سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے یہ انتظام کیا (یعنی رسول خداؐ اور سیدنا علیؓ کے درمیان وعدہ ہوا) کہ خدمت باہر کی مثلاً لکڑی اور پانی لانے کی جناب امیر کریں اور خدمت گھر کے اندر کی مثل چکی پیسنے، کھانا پکانے، جھاڑو دینے کی جناب فاطمہ کریں۔

(جلاء العیون اردو ج ۱ ص ۱۶۲/۱۶۳)

مگر نکاح کے بعد جو کچھ ہوا اس کے اُلٹ ہوا۔ چنانچہ یہی
مجلسی صاحب لکھتے ہیں :

۲۔ بسند معتبر جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ حضرت رسولِ خداؐ کی محبوب ترین مردم تھیں (محبوب کیوں نہ ہوتیں جبکہ آنحضرتؐ کی تمام اولاد میں سے اس وقت صرف یہی زندہ تھیں۔ مولف) اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھائے کہ سینہ مبارک سے اثر اس کا ظاہر ہوا۔ اور اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہو گئے۔ اور اس قدر گھر میں جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے۔ اور اس قدر کھانے پکائے اور آگ سلگائی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے۔ لہذا کثرت کاروبار سے جناب سیدہؑ کو تکلیف ہوئی (جلاء العیون جلد ا صفحہ ۱۶۴)

یہاں یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ ملا صاحب جو خاتم المحدثین ہیں۔ سیدنا علیؑ کی زبان سے ہی اپنے گھر کا کس قدر نا قابل بیان نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ اسے ہجو بلیغ کہا جائے یا ؏

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ سوچنے کی بات صرف اس قدر ہے کہ سیدنا علیؑ کے افرادِ خانہ کی تعداد ہی کیا تھی کہ سیدہ فاطمہؑ سارا دن چکی پیستی آگ جلاتی پانی ڈھوتی اور کھانا پکاتی رہتی تھیں۔ کیا سیدنا علیؑ اپنی زوجہ محترمہ کے لئے محلہ بھر کا غلہ اور مصالحہ پیسنے کے لئے گھر لایا کرتے تھے۔ کیا آپ کا مکان اتنا وسیع و عریض تھا کہ جناب سیدہ سارا سارا دن جھاڑو دیتی رہتی تھیں اور گھر میں کوئی حمام تھا کہ آپ پانی ڈھو ڈھو کر ہلکان ہوئی جاتی تھیں۔ یا الہٰی یہ ماجرا کیا ہے؟

اور کیا ملا صاحب سے کوئی شریف آدمی یہ پوچھ کر ہمیں بتا سکتا ہے کہ جناب آپ کے شیر خدا یہ سارا تماشہ بیٹھ کر دیکھتے رہتے تھے اور نبیؐ کی پیاری بیٹی اپنی زوجہ محترمہ کا ہاتھ بٹاتے ہوئے شرم و عار محسوس کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تمام خرافات ان عجمی عناصر کے تخلیقی تخیل کا ثمر ہیں جنہوں نے حب علیؓ کی آڑ میں علیؓ کو بخشا نہ حسنینؓ کو نہ کوئی صحابی ان کے نشتر تضحیک و تفسیق سے بچ سکا اور نہ صادق و مصدوق ﷺ کی ذاتِ اقدس۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا

گو عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو قبول نہیں کر سکتی۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدہ فاطمہؓ کی زندگی نہایت ناخوشگوار تھی۔

اس مقام پر عقیدت و احترام اور نگاہِ تقدس کے ساتھ ساتھ حقیقت حال کو پیشِ نظر رکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ایسے ماحول میں عہد طفولیت گزارنے والا بچہ جوان ہو کر اپنے باپ کے متعلق اپنے گوشۂ قلب میں کس قسم کے جذبات رکھتا ہو گا۔

نگہ ملا غریب اس میدان میں منفرد نہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ سب کچھ موجود ہے۔ چنانچہ باب ما ذکر من درع النبیؐ الخ میں علیؓ (جنہیں آگے چل کر یارانِ طریقت نے زین العابدین بنا دیا) بن حسینؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا آخری حصہ یوں ہے:۔

حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ علیؓ نے فاطمہؓ پر سوکن لانے کے لئے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا۔ پھر میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور میں ان دنوں بالغ تھا آپؐ نے فرمایا۔ فاطمہ مجھ میں سے ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائے۔ پھر آپؐ نے اپنے داماد (ابو العاصؓ) کا ذکر کیا جو بنی عبد شمس میں سے تھے (جن کا نام لینا بھی ان سطحی قسم کے مولویوں کے لئے بار گراں ہے مولف) نبی علیہ السلام نے ابو العاصؓ کی تعریف کی اور فرمایا انہوں نے جو بات مجھ سے کی تو سچی کی اور مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا اور (یاد رکھو) میں کسی حرام چیز کو حلال نہیں کر رہا (لِمَ تحرم ما احل اللہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے والے نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر غور کریں کہ بزعم خویش اپنی معروف علمیت کے زعم میں کس قدر غلط بیانیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ہم نے

اپنی تالیف صدیقہ کائناتؓ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے مولف) لیکن بات یہ ہے اللہ کی قسم اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس سے اگلے باب میں سیدہ فاطمہؓ کی مشقتوں سے لبریز زندگی کے متعلق خود علیؓ سے روایت ہے جس کی تائید سنن ابی داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں علیؓ فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ نبی علیہ السلام کے گھر والوں میں سب سے زیادہ عزیز تھیں وہ میرے نکاح میں تھیں چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے پانی کی مشکیں کھینچ کر سینے پر نشان پڑ گیا تھا۔ گھر کی جھاڑو دے دے کر کپڑے غبار آلود ہو گئے تھے چولھا جھونک کر کپڑے سیاہ ہو گئے تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ اپنے اباجان کے پاس جاؤ اور ان سے خادم مانگ کر لاؤ الی آخرہ۔ اگر سیدہ فاطمہؓ اتنی مشقت اٹھاتی تھیں تو سیدنا علیؓ خود کیا کرتے تھے اور پھر اتنی خدمت گزار بیوی کی موجودگی میں دشمن اسلام کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا اولاد پہ اثر انداز نہ ہوا ہو گا۔

۳۔ یہی باقر مجلسی آگے چل کر لکھتے ہیں:

بسند معتبر روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسولِ خدا حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ اور فاطمہؓ اونٹ کی کھال کا جامہ پہنے اپنے ہاتھ سے چکی پیس رہی تھیں۔ اور ساتھ ہی فرزند کو دودھ پلا رہی تھیں۔ جب رسولؐ خدا فاطمہؓ کو اس حال میں دیکھا آنسو چشم ہائے رواں سے جاری ہوئے۔ اور فرمایا اے دختر گرامی تلخی ہائے دنیا کی حلاوت چکھو (جلاء العیون جلد اص ۱۶۴) یعنی علیؓ جو کچھ دکھ دے رہے ہیں انہیں برداشت کرو۔ کتنا دردانگیز منظر ہے۔ کہ حضرت سیدہ کے لئے سیدنا علیؓ کوئی معمولی سا کپڑا بھی بہم نہیں پہنچا سکتے۔ اِدھر تو یہ صورت ہے کہ دخترِ رسولؐ اونٹ کے چمڑے کا جامہ در بر فرما ہوئے ہیں۔ اور اُدھر یہ صورت ہے جو مجلسی صاحب آگے چل کر بیان فرما

۴۔ کتاب علل الشرائع و لبشارت المصطفیٰ وخوارزمی میں بسند ہائے معتبر ابوذرؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جعفر طیارؓ مدینہ آئے اور

جعفر طیارؓ غزوۂ خیبر کے موقع پر حبشہ سے واپس آئے تھے اور انہیں ایام میں سیدنا حسنؓ کی ولادت ہوئی تھی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے) ایک کنیز بطور تحفہ اپنے بھائی علیؓ کے پاس بھیجی۔ وہ کنیز جناب امیر کی خدمت کرتی تھی۔ ایک دن جناب فاطمہؓ گھر میں آئیں اور دیکھا کہ سر جناب امیر اس کنیز کے دامن پر ہے۔ جب یہ حالت دیکھی تو متغیر ہو گئیں اور پوچھا کہ اس کنیز کے ساتھ کیا تم نے کوئی تعلق کیا ہے۔ جناب امیر نے فرمایا بخدا سوگند اے دختر محمدؐ میں نے اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم نہیں کیا۔ اب جو کچھ تم کو منظور ہے بیان کرو۔ میں بجا لاؤں۔ جناب سیدہ نے کہا۔ مجھے میرے پدر بزرگوار کے گھر جانے کی اجازت دو۔ جناب امیر نے فرمایا۔ میں نے اجازت دی پس جناب فاطمہؓ نے چادر سر پر اوڑھی اور اپنے باپ کی خدمت میں پہنچیں۔ (جلاء العیون اردو جلد ا صفحہ ۱۸۸)

یہاں اس بات سے بھی بحث نہیں کہ سیدنا علیؓ کے یہ نام نہاد شیعہ آپ کی مدح کر رہے ہیں یا ذم اور اس بات سے بھی بحث نہیں کہ سیدنا علیؓ نے وہ لونڈی سیدہ فاطمہؓ کو خدمت کے لئے دینے کی بجائے اپنی ذات کے لئے وقف کر لی اور اس بات سے بھی بحث نہیں کہ اس قسم کی روایات صحیح ہیں یا غلط۔ البتہ یہ تاثر ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کی زندگی سیدنا علیؓ کے ہاں خوشگوار نہ تھی۔ اور والدین کی باہم شکر رنجی کے تعلقات کا بچوں کی زندگی پر نہایت دور رس اثر پڑتا ہے۔ جناب مجلسی نے ان چند باتوں پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ذرا اور آگے ہاتھ مارنے کا اقدام فرما رہے ہیں۔

۶۔ سیدنا علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی جویریہ کو شادی کا پیغام دیا۔ تو رسول خدا نے جناب فاطمہؓ کو محزون و ملول پایا۔ آپؐ نے غسل فرمایا۔ لباس بدل کر مسجد میں تشریف لائے اور نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ مشغول رکوع و سجود ہوئے اور بعد دو رکعت کے دعا مانگتے تھے خداوندا! فاطمہؓ کے حزن و ملال کو زائل کر۔ کیونکہ جس وقت گھر سے باہر آئے تھے تو فاطمہؓ کو دیکھ کر آئے تھے۔ کہ آپ کروٹیں بدلتی اور ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں۔ پھر گھر میں تشریف لیگئے

دیکھا کہ فاطمہؓ کو نیند نہیں آتی اور بے قرار ہے۔
فرمایا اے دخترِ گرامی اے فاطمہؓ اٹھو۔ جب جناب فاطمہؓ اٹھیں تو جناب رسولِ خداؐ نے حسنؑ کو اور فاطمہؓ نے حسینؑ کو اٹھایا اور ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں تشریف لائے۔ یہاں تک کہ قریب جناب امیر کے پہنچے۔ اس وقت جناب امیر آرام فرما رہے تھے۔ اس وقت جناب رسولؐ خدا نے اپنا پاؤں جناب امیر کے پاؤں پر رکھا۔ اور فرمایا اے ابو تراب! گھر والوں کو تم نے اپنی جگہ سے جدا کیا ہے۔ جاؤ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور طلحہؓ کو بلا لاؤ۔ پس جناب امیر گئے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بلا لائے۔ جب قریب جناب رسولؐ خدا کے حاضر ہوئے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ فاطمہؓ میری پارہ تن ہے۔ اور میں فاطمہؓ سے ہوں جس نے اُسے آزار دیا۔ جس نے اُسے میری وفات کے بعد آزار دیا۔ گویا ایسا ہے کہ اس نے میری حیات میں ایسے آزار دیا۔ جناب امیر نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ اسی طرح ہے اس وقت جناب رسولؐ خدا نے فرمایا۔ تم کو کیا باعث ہوا جو تم نے ایسا کام کیا۔ جناب امیر نے فرمایا۔ بحق اس خدا کے جس نے آپ کو براستی بھیجا۔ قسم کھاتا ہوں جو کچھ فاطمہؓ سے کسی نے کہا وہ فی الواقع صحیح نہیں اور میرے دل میں وہ امور نہیں گزرے۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا۔ تم بھی سچ کہتے ہو۔ اور وہ بھی سچ کہتی ہے۔ (جلاء العیون جلد ا صفحہ ۲۱۷ تا ۲۱۹)

اس واقعہ سے امور ذیل مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ اور نماز پڑھ کر مشغول رکوع سجود ہوئے۔

۲۔ حضرت سیدہؓ پر اس واقعہ کو باقی واقعات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے۔ تو از حد ناگوار اثر معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ نبی علیہ السلام نے سیدنا حسنؓ کو اٹھایا اور جناب سیدہ نے سیدنا حسینؓ

کو اٹھایا اور سیدہ ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں تشریف لائے۔ اس کا واضح تر مطلب یہ ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ جناب حسنینؓ سے عمر میں بڑی تھیں۔ گویا آپ غزوہ خیبر سے پہلے یعنی ۵ یا ۶ ہجری میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر کسی طرح چھ سال سات سے کم نہ تھی صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال بنتی ہے۔ اور جس وقت سیدنا فاروق اعظمؓ سے آپ کا نکاح ہوا اس وقت آپ کی عمر کسی صورت میں پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی۔

۴۔ ملا صاحب کا یہ تکلف ہے کہ نبی علیہ السلام نے سیدنا علیؓ کے پاؤں پر پاؤں رکھا۔ ورنہ واقعہ کے سیاق و سباق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کہ نبی علیہ السلام اپنی بیٹیؓ کی تکلیف کی وجہ سے حزن والم سے اس قدر متاثر تھے کہ آنحضرتؐ نے پاؤں کی ٹھوکر سے سیدنا علیؓ کو بیدار فرمایا اور پھر ابوتراب کہہ کر مخاطب فرمایا یعنی مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے والا۔ اس سے اگلا فقرہ کہ تم نے گھر والوں کو اپنی جگہ سے جدا کیا ہے "ابوتراب" کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔

۵۔ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا طلحہؓ کو بلانے کا مقصد ؟

جھگڑا میاں بیوی اور خسر و داماد کا ——— مگر بلایا جاتا ہے دوسروں کو ——— اس کا مقصد یہ تھا کہ ان ہی تین اصحاب کی سفارش پر نبی علیہ السلام نے حضرت سیدہؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے فرمایا تھا اور رہی معہ عثمانؓ ضامن تھے اور انہوں نے ہی نکاح کے اخراجات بھی برداشت کئے تھے۔

اس قسم کے نظاہر وشواہد کا احاطہ اس مقام پر موضوع سے باہر ہے۔ ورنہ سیدہ فاطمہؓ کی تمام زندگی سیدنا علیؓ کے ہاں نہایت مشقت اور رنج والم سے بھرپور زندگی تھی۔ یہاں صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرات حسنینؓ میں سے سیدنا حسنؓ جو عمر میں سال بھر بڑے تھے۔ ان کو اس قسم کے منظر زیادہ یاد تھے۔ اسی لئے تمام زندگی وہ اپنے آپ کو سیدنا علیؓ کے سیاسی عزائم سے ہم آہنگ

نہ کر سکے ۔ اور سیّدنا حسینؓ چونکہ طفولیت اور شیرخوارگی کے درمیانہ زمانہ میں تھے ۔ اس لئے انہوں نے اپنے بڑے بھائی جیسا تاثر قبول نہ کیا ۔ آگے چل کر دونوں بھائیوں کی افتاد طبع میں انہی ایّام کا پرتو نظر آتا ہے ۔ البتہ سیّدہ ام کلثومؓ ان تمام واقعات سے خوب باخبر تھیں ۔

یہی وجہ تھی کہ سیّدنا علیؓ جب سبائیوں کی کرم نخشیوں کی وجہ سے سریرآرائے خلافت ہوئے اور انہوں نے ہرمز مجوسی کے قاتل عبیداللہ بن عمرؓ کی گرفتاری کا حکم دیا ۔ تو سیّدہ موصوفہ نے ایک طرف اپنے سوتیلے بیٹے یعنی حضرت عبیداللہؓ کو مدینہ سے فرار ہو جانے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف اپنے باپ کو سمجھایا کہ آپ اتنے پرانے جھگڑے کو نہ چھیڑیں ۔ مگر سیدنا علیؓ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور سیّدنا عبیداللہؓ بن عمرؓ نے بھاگ کر جان بچائی ۔

سیّدنا حسنؓ کی زندگی کے مختلف ادوار

پہلا دور

ولادت سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات تک،
حضور خاتم المعصومینؐ کی وفات کے وقت سیّدنا حسنؓ کی عمر جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے ۳-۴ سال کے درمیان تھی۔ اور حضرت سیّدہؓ بھی آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اعلیٰ علیین کو سدھار گئیں۔ اس دور کے متعلق متعدد روایات ہمارے سامنے ہیں کہ کبھی آپ حضور خاتم المعصومینؐ کے دوش اقدس پر سوار ہیں۔ کبھی کسی صحابی کے کندھوں پر سواری فرما رہے ہیں۔ کبھی عین خطبہ کے درمیان گرتے پڑتے مسجد نبوی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور حضور خاتم المعصومینؐ اٹھ کر اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں۔

دوسرا دور

حضرت سیّدہؓ کی وفات کے بعد سیّدنا علیؓ نے سیّدہ امامہؓ بنت سیّدنا ابوالعاصؓ سے نکاح فرمایا۔ سیّدہ امامہؓ سیّدہ فاطمہؓ کی سگی بھانجی تھیں۔ اور سیّدنا علیؓ نے سیّدہ فاطمہؓ کی وصیّت کے مطابق سیّدہ امامہؓ سے نکاح فرمایا تھا۔ قیاساً ہی نہیں بلکہ یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ سیّدہ امامہؓ نے حضرات حسنینؓ کی تربیت میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دی ہوں گی۔ سیّدہ امامہؓ، سیّدہ زینبؓ جیسی عظیم ماں کی بیٹی تھیں جو زمانہ کے اکثر نشیب و فراز دیکھ چکی تھیں انہوں نے اپنی بیٹیؓ کی تربیت میں کون سی کمی روا رکھی ہو گی۔

اسی عرصہ میں صدیق اکبرؓ انتقال فرما گئے اور سیّدنا فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ چندے بعد حضرات حسنینؓ کی بڑی بہن سیّدہ ام کلثومؓ زینتِ کاشانۂ حریم خلافت بن گئیں۔ اب حضرات حسنینؓ کے لئے حریم خلافت کے دروازے کھلے تھے۔ ان تمہیدی قسم کی سطور سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرات حسنینؓ

کہ بچپن کی نسبت یہ عہد زیادہ خوشگواریوں کا حامل تھا۔

تیسرا دور سیدنا فاروق اعظمؓ مجوس و یہود کی ایک منظم سازش سے شہید ہو گئے تو سیدنا ذوالنورینؓ مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے۔ سیدنا حسنؓ اب ۱۶-۱۷ سال کے وجیہہ نوجوان تھے۔ سیدنا ذوالنورینؓ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اب گویا سیدنا حسنؓ کے مقام و منصب میں دو چند اضافہ ہو گیا۔ حسن مثنیٰ انہی عائشہؓ کے بطن سے تھے گویا سیدنا ذوالنورینؓ سیدنا حسنؓ مثنیٰ کے سگے نانا تھے (ال رقیۃ الزہراء)

سیدنا ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت میں ہی ایران کا حکمران اسلامی فوجوں کے آگے بھاگتا، چھپتا جان بچاتا ۲۵ سال کی عمر میں ایک پن چکی والے کے ہاتھ سے واصل بجہنم ہوا۔ ایران کے ان جہادی کارناموں میں سیدنا حسنؓ اکثر جہادوں میں شامل تھے۔

حسب روایات طبری، ابن اثیر اور فتوح البلدان اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کر لی تھی۔ عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں جو کہ عجمی سازش کے تحت سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد شروع ہوئی تھی۔ طبرستان والوں نے بھی صلح توڑ دی۔ ۳۰ ہجری میں سیدنا ذوالنورینؓ کے حکم کے مطابق سیدنا سعید بن العاصؓ نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ اس فوج میں سیدنا حسنؓ، سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ متعدد جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ سعید بن العاص اور سعید بن عامرؓ عبداللہ بن عامرؓ ربیع بن زیادؓ اور مجاشع بن مسعود نے ایران کے تمام علاقوں سجستان، خراسان، باحرز، جوین، بہق، خواف، سفرائن، ارغیان، نیشاپور، سرخس، اہواز، طخارستان، طالقان، کرمان، سجستان، کش، دوارہ وغیرہ کو فتح کیا۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت کی ان فتوحات میں اکثر جہادوں میں سیدنا حسنؓ موجود تھے۔

مشہور شیعہ مؤلف نجم الحسن کراردی کی تالیف "چودہ ستارے" شائع کردہ شیعہ

"ایک اجنبی انصاف" دوسرا ایڈیشن جولائی ۱۹۶۴ء میں مرقوم ہے کہ عہد عثمانی میں فتح طبرستان کے موقع پر امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے شرکت کی۔ ۱۳۹۳ ہجری میں اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس کتاب سے یہ واقعہ نکال دیا۔ سیدنا حسنؓ اور حسینؓ کی فتح طبرستان کا واقعہ تاریخ اسلام جلد سوم مولفہ ایس ذاکر حسین جعفری پروپرائٹر دفتر اتالیق انگریزی دہلی مطبوعہ ۱۹۱۳ء مقبول پریس دہلی کے صفحہ ۱۳۰ میں بھی موجود ہے۔ یعنی حضرات حسنینؓ عنفوانِ شباب سے ہی خلیفہ ثالث سیدنا ذوالنورینؓ کی فوج میں شامل ہو کر جہاد شروع کر دیا تھا اور یہ سلسلہ ۴۹ ہجری میں سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد بھی سیدنا حسینؓ نے جاری رکھا۔ حتیٰ کہ امیر یزید کی سالاری میں سیدنا حسینؓ غزوہ قیصر روم میں ۴۹ھ میں بحیثیت ایک رضاکار سپاہی کے موجود تھے۔

ایران کی ان فتوحات سے پہلے حضرات حسنینؓ عبداللہ بن سعدؓ کی سالاری میں طرابلس شمالی افریقہ کے جہاد میں شامل رہ چکے تھے۔ یعنی جب عبداللہ بن سعدؓ نے سکندریہ سے نکل کر درمیانی علاقوں سے ہوتے ہوئے طرابلس کی طرف پیش قدمی کی تو سیدنا ذوالنورینؓ نے مدینہ منورہ سے جو فوج مرتب کر کے بھیجی اس میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ سیدنا عمروؓ بن عاص، سیدنا حسنؓ بن علیؓ اور سیدنا حسینؓ بن علیؓ شامل تھے۔ یہ فوج مصر سے ہوتی ہوئی برقہ کے مقام پر عبداللہ بن سعدؓ کی فوج سے جا ملی۔ اور دونوں فوجوں نے مل کر طرابلس پر حملہ کیا۔ رومی بڑی جی داری سے لڑے مگر آخر شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرات حسنینؓ اور حضرات عبادلہؓ طرابلس کی فتح کے بعد واپس مدینہ پہنچنے سے جلد بعد ایران کی طرف جانے والی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

چوتھا دور سیدنا حسنؓ کی زندگی کا چوتھا دور سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں آپ نے اپنے والد سیدنا علیؓ کا جس قدر ساتھ دیا وہ بامر مجبوری تھا۔

شمس التواریخ ایک تفضیلی کی تالیف ہے۔ بایں ہمہ وہ لکھتا ہے کہ حضرت حسنؓ اکثر اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار سے معروضات کیا کرتے تھے (صفحہ ۵) کسی دوسرے مقام پر اس قسم کے شواہد پیش کئے جا چکے ہیں کہ سیدنا حسنؓ اپنے والد بزرگوار کے موقف کے بالکل ہمنوا نہ تھے۔

جنگ جمل سے پہلے آپ نے اپنے باپ کی خدمت میں عرض کیا۔

"ابا جان! میں نے آپ کو اس سفر سے پیشتر بھی منع کیا تھا مگر آپ نے میرا معروضہ نہ سُنا اور آپ کی رائے پر فلاں فلاں (عبداللہ بن سبا اور مالک اشتر وغیرہ) اشخاص غالب آ گئے۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا بیشک تمہارے جزادے ایسا ہی ہوا۔

بہرحال سیدنا حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو منع کرنے کے باوجود ان کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ جنگ صفین میں آپ مسلح ہو کر نکلے تو سیدنا علیؓ نے انہیں روک دیا۔

پانچواں دور یہ دور سیدنا حسنؓ کی اپنی خلافت کا دور ہے جس کے حالات کسی دوسرے مقام پر تفصیلاً بیان ہو چکے ہیں۔

چھٹا دور یہ دور سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت کا ہے۔ جو آپ کی وفات ۴۹ھ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اس دور کا اہم ترین واقعہ قسطنطنیہ کا جہاد ہے جو ۴۹ھ میں امیر یزید کی زیر قیادت ہوا۔ اس جہاد میں سیدنا حسینؓ کے علاوہ سیدنا ابن عمرؓ، سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا ابن زبیرؓ اور سیدنا ابو ایوبؓ کے نام ملتے ہیں۔ مگر سیدنا حسنؓ کا نام ان مجاہدین میں نہیں آتا۔ امیر یزیدؒ کی قیادت اور سپہ سالاری میں جو یہ جہاد کیا گیا۔ اس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ محض اس وجہ سے شامل ہوئے کہ اس جہاد میں شامل ہونے والے حضور سرور کائنات رسول اللہ کی زبان سے یہ مژدہ سُن چکے تھے کہ وہ لشکر مغفور ہے۔ سیدنا حسنؓ کا اس میں موجود نہ پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ۴۹ھ میں وفات پا چکے تھے اور سیدنا حسینؓ اس سال اکیلے ہی دمشق گئے۔ اس وقت غزوہ قسطنطنیہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور

آپ بھی امیر یزیدؒ کی قیادت میں اس غزوہ میں شامل ہو کر "مغفور لہم" کے سند یافتہ گروہ کی سعادت کے حامل ہوئے۔

اب ہم ان واقعات کو دوسری نظر سے دیکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سیدنا علیؓ کی مالی حالت نہایت منقیم تھی۔ مگر تیس سال بعد جب آپ شہید ہوئے تو آپ تمام بنو ہاشم میں بہت بڑے مالدار اور جاگیردار تھے۔ چنانچہ آپ کی جائداد میں متعدد دیہات تھے۔ جن میں سے ولال، ثغفات، جسنی، مالام ابراہیم، میسیت، صافیہ، برقیہ، ینبع، وادی القریٰ، بدیہ، بارجبیہ ارحنفر یعنی تیرہ دیہات کے ناموں کا متعدد کتب میں ذکر موجود ہے۔

رجع الیقین صفحہ ۱۰۵ فروش کافی جلد ۲ صفحہ ۲۰،

وفات کے وقت خادموں اور غلاموں کے علاوہ چار بیویاں ۱۹ اُم ولد چوبیس لڑکے لڑکیاں موجود تھیں اور اپنے خاندان میں سب سے زیادہ دولتمند مشہور تھے (کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۵)

جنگ جمل کے عین بعد جبکہ ہزاروں گھروں میں ماتم تھا آپ نے "سعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح فرما کر پورے ستر روز ایک مکان میں قیام فرمایا جو ناصر خسرو کی سیاحت کے زمانہ تک مشاہد علیؓ کے نام سے مشہور رہا۔ (سفرنامہ ناصر خسرو صفحہ ۱۴۰) اور پھر شہادت سے پہلے آپ ایک اور لونڈی خریدنے کا ارادہ فرما چکے تھے جس کے لئے رقم جمع کر لی تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قدر دولت کہاں سے آئی۔ اپنی نام نہاد خلافت کے زمانہ میں تو آپ ایک مربع انچ زمین فتح نہ کر سکے جہاں سے مال غنیمت حاصل ہوتا۔ کسی دوسرے طریقے سے اس قدر مال جمع کرنے کا آپ کی ذاتِ اقدس کے متعلق تصور کرنا بھی گناہِ کبیرہ سے کم نہیں۔

خلفائے ثلاثہؓ کے زمانہ میں سیدنا حسنؓ طبرستان کی فتح اور افریقہ کی فتح میں شامل ہوئے۔ مگر سیدنا علیؓ مدینہ سے نہ نکلے۔ لامحالہ یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ

یہ سب کچھ خلفائے ثلاثہؓ کی کرم بخشیوں، فیاضیوں اور احسانات سے حاصل ہوا تھا اور اگر سیدنا علیؓ کی ذاتِ اقدس کے لئے خلفائے ثلاثہؓ کی داد و دہش کا یہ عالم تھا۔ تو حضرات حسنینؓ کے لئے خلفائے ثلاثہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جذباتِ خدمات و عطا کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

ان سطور کا آخری مفہوم و مقصد یہ ہے کہ حضرات حسنینؓ کی زندگیاں نہایت فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگیاں تھیں۔

سیدنا حسنؓ کو سیدنا ذوالنورینؓ نے ضروریات زندگی کی فراوانیوں سے مالا مال کر دیا تھا۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت کے روزِ اول سے لے کر سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت تک سیدنا علیؓ نے کسی جنگ میں کوئی حصّہ نہ لیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ معرکہ قادسیہ کے موقع پر سیدنا علیؓ کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے مگر آپ نے انکار کر دیا تھا۔

المختصر یہ کہ سیدنا علیؓ اور حضرات حسنینؓ کے لئے خلفائے ثلاثہؓ کا دورِ خلافت ہر قسم کی آسائشوں کا دور تھا۔

سیدنا علیؓ کی اس جائداد میں سیدنا حسنؓ کا وجود ایک مرکزی کردار تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت کے زمانہ میں تمام معلوم دنیا سے مال غنیمت ڈھیروں کی صورت میں مرکز خلافت کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ اور سیدنا حسنؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ کے نہایت محبوب تھے۔ جسے سیدہ ام کلثومؓ کے نکاح کے بعد دو آتشہ کر دیا تھا۔ اور سیدنا ذوالنورینؓ کے آپ محبوب داماد تھے۔ آپ کو طبرستان اور افریقہ کی فتوحات سے مال غنیمت کا بھی کافی حصّہ ملا ہو گا۔ آپ کو خلفائے ثلاثہؓ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بقول مولف بحار الانوار سیدنا حسنؓ نے سیدہ عائشہ بنت سیدنا ذوالنورینؓ کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کے نام ابوبکر اور عمر رکھے۔

(بحار الانوار جلد ا صفحہ ۱۶۴)

استدراک

وضعی روایات کی صورت میں آج جو کچھ مروّجہ تاریخوں کے صفحات میں ہمارے سامنے ہے۔ ان میں سوائے اموی و ہاشمی منافشات کے کچھ نہیں۔ حالانکہ ان تاریخی کتب میں وہ سب کچھ موجود ہے جس سے واضح طور پر یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ اس دور میں اموی و ہاشمی منافشات کی قسم کی قطعاً کوئی چیز موجود نہ تھی۔ مگر بعد میں آنے والے مورخین نے تاریخ کے اس تاریک پہلو کو اجاگر کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں جو کذاب راویوں کے ذریعے وضعی روایات کی صورت میں کتب تاریخ میں لکھا گیا تھا۔ اور تاریخ کے اس روشن پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ جو رحماء بینھم کی تفسیر تھا اور صحیح روایات پر مشتمل تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سیاسی قسم کے چند معمولی اختلافات کے علاوہ لوگ یک جسم و جان تھے۔ یہاں تک کہ ان بر خود غلط قسم کے مؤرخین نے سسر کو داماد کا جان لیوا، داماد کو سسر کا دشمن، بہنوئی کو برادر نسبتی کا قاتل گرداننے میں بھی شرم محسوس نہ کی۔

واقعاتِ گذشتہ پر ایک اجمالی نظر

فلسفہ تاریخ کا تقاضا ہے کہ کسی حکمران یا کسی تاریخی شخصیت کے حالات قلمبند کرتے وقت اس شخصیت کی افتاد طبع، اس کے کردار سے مرتب ہونے والے اثرات اور اس کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے واقعات کا جائزہ لے کر ان واقعات کو احاطہ تحریر میں لایا جاوے جو وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

حضرات حسنینؓ کی عمروں میں بالکل معمولی یعنی سال بھر کا فرق تھا مگر ایک بھائی میں تحمل، بردباری، پیش بینی، عاقبت اندیشی اور حزم روی کے اوصاف بدرجہ

انم موجود تھے۔ مگر دوسرا بھائی کسی مقام پر بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح تدبر و تعقل کے اس مقام تک نہ پہنچ سکا جس کا حامل اس کا بڑا بھائی تھا۔

یہی وجوہات تھے کہ بڑے بھائی نے میانوں سے نکلی ہوئی ہزاروں تلواریں پھر میانوں میں کرنے کے اسباب بہم پہنچا کر ایک عالم کے لئے امن و چین کی فضا سازگار کرنے کے اسباب بہم پہنچائے۔ مگر دوسرے بھائی نے سینکڑوں بزرگوں دوستوں عزیزوں رشتہ داروں کے سمجھانے کے باوجود وہ راستہ اختیار کیا جو آگے چل کر کربلا کے المیہ کی شکل میں آج تک پوری ملت کے لئے صرف تشتت وافتراق کا سبب ہی نہ بنا۔ بلکہ ہزاروں سے متجاوز مخلوق کے خون بہانے کا ذریعہ بنا چلا آرہا ہے۔

اس کی سب سے اہم وجہ سیدنا حسنؓ کا، سیدنا ذوالنورینؓ سے متعلق ہو کر اپنے گھریلو ماحول کا ترک کر دینا تھا۔ جہاں سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ہر ذہن، ہر خیال اور ہر طبقہ کی خواتین کا شانۂ سیدنا علیؓ کی زینت بن چکی تھیں۔ اور سیدنا حسینؓ آخر تک اُسی ماحول میں رہے اور اس ماحول کے اثر سے آخر تک آپ اپنا دامن چھڑا سکے یہ سسرالی صحبت کا ہی اثر تھا کہ سیدنا حسنؓ نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں جو مشورہ عرض کیا اُسے ہر دور کے صائب الرائے محققین اور مورخین نے من حیث المجموع نہایت صائب اور بر وقت قرار دیا۔

تاریخ کے لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں اور نہ معلوم قیامت تک یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوتا چلا جائے گا۔ مگر عجمی اثرات کے تحت جو کچھ لکھا گیا جب تک اس کی چھان پھٹک کر کے صحیح واقعات کو نکھار کر پیش نہ کیا گیا یہ تشتت وافتراق کی فضا ختم نہ ہو گی اور جب تک واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے خالص سیاسی معرکے ہمارے محراب و منبر سے دینی معرکے ہی بنا کر پیش کئے جاتے رہیں گے اور جمل و صفین کی دینی جنگیں سیاسی جنگیں ہی قرار دی جاتی رہیں گی اور سیدنا حسن کے اس بے مثل کردار کو جو پورے عالم اسلام کے لئے صرف اس وقت ہی باعث رحمت ثابت نہ ہوا بلکہ تا قیامت اس کے اثرات سے پورا عالم اسلام فیضیاب ہوتا رہیگا اور اس وقت تک سیدنا حسنؓ کو تاریخ میں وہ مقام ملیگا جس کے حقدار ہیں صرف اس وجہ سے کہ حضرت حسنؓ کی سیاست میں فاروقی و عثمانی تعلیم کا پرتو تھا۔

سیّدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت[1] اور سیّدنا حسنؓ

سیدنا حسنؓ عقل فراست، تدبّر، تفقہ اور عاقبت اندیشی کے اوصاف جمیلہ کے پیکر مجسم تھے۔ آپ نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں ہر آڑے وقت میں صائب مشورہ عرض کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے جب کبھی کسی کام کے کرنے کا ارادہ کیا اس کا تاریک پہلو فوراً سیدنا حسنؓ کے دل میں کھٹک گیا۔ اور آپ نے فوراً اپنے جلیل القدر باپ کے حضور میں اپنی ضمیر کی آواز پیش کرنے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ کو راہ نہ دی۔

---

[1] سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت کے متعلق ہم نے "مشکوٰۃ المصابیح کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر" میں چند اشارات کیے تھے۔ یہاں ذرا وضاحت سے چند حقائق و شواہد پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے:

۱۔ عن عبد اللّٰہ بن مسعودؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تدور رحی الاسلام لخمس وثلاثین او ست وثلاثین او سبع وثلاثین فان یھلکوا فسبیلُ من ھلک وان یقم لھم دینھم یقم لھم سبعین عاماً۔ قلتُ امما بقی اومما مضٰی قال مما مضٰی (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ دین اسلام کی چکی پنتیس چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ پس اگر ہلاک ہوں پس رستہ ان کا ہے کہ ہلاک ہوئے۔ اور اگر قائم ہو واسطے ان کے کاروبار ان کے دین کا تو ستر برس تک رہے گا۔ میں نے عرض کیا ستر برس اس وقت سے ہیں کہ باقی ہے گا اس وقت سے کہ گذرا فرمایا اس وقت سے ہو گا کہ گذرا۔ اس حدیث کے تین حصے ہیں۔

(صفحہ ۵۰ پر)

اور آج تاریخ کی ورق گردانی کرتے وقت جب ایسے مقامات ہمارے سامنے آتے ہیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کا مقام سیاست ملکی میں کس قدر بلند تھا۔ اور آپ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کو کیسی فراست و بصیرت سے بھانپ جایا کرتے تھے چنانچہ :

۱- سیدنا علیؓ جب مدینہ سے عازم کوفہ ہوئے تو مدینہ میں جو چند صحابہ موجود تھے انہوں نے آپ کو اس اقدام سے روکا۔ ان روکنے والوں میں سیدنا حسنؓ پیش

(بقیہ حاشیہ) پہلا حصہ ۳۵-۳۶ یا ۳۷ سال سے متعلق نبی علیہ السلام نے مدینہ پہنچکر بحیثیت ایک حکمران کے یہود سے معاہدہ فرمایا۔ پہلی ہجری سے سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت تک پورے ۳۵ سال ہوئے۔

دوسرا حصہ فان یھلکوا سے متعلق ہے جو سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت سے شروع ہو کر سیدنا معاویہؓ کے استقلال سے متعلق ہے یہ مدت پانچ سال ہے۔

تیسرا حصہ وان یقم لھم سے شروع ہو کر ہشام بن عبدالملک تک پہنچتا ہے اس طرح قریش سے بارہ ائمہ بھی پورے ہو جاتے ہیں اور حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

۲- اس حدیث کے راوی خود سیدنا علیؓ ہیں۔

قل یارسول اللہ من تومر بعدک الخ نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ کے بعد ہم کسے امیر بنائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میرے بعد تم ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو تم اس کو دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی رغبت کرنے والا پاؤ گے۔ اور اگر تم عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو تم اسے قوی امانت دار پاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ اگر تم علیؓ کو امیر کرو گے حالانکہ تحقیق میں گمان کرتا ہوں کہ تم اسے امیر نہیں بناؤ گے ولا ام یکم فاعلین تو تم اسے راہ راست دکھانے والا پاؤ گے

(مسند احمد بن حنبل بحوالہ مشکوٰۃ باب

پیش تھے چنانچہ آپ نے ارادہ فرمالیا تھا کہ میں مدینہ نہیں چھوڑوں گا۔ شاید اس طرح میرے والد رک جائیں۔ مگر سیدنا علیؓ نے اپنے بیٹے کے مشورہ کو بھی ٹھکرا دیا۔ اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے تو سیدنا حسنؓ ربذہ کے مقام پر جاکر ملے اور کہا اباجان! آپ نے مدینہ کیوں چھوڑا۔ اور کیوں ہر دفعہ میری بات نہ مانی (ابن خلدون)

(حاشیہ) اس روایت نے معاملہ ہی صاف کر دیا کہ صحابہؓ کرام سیدنا علیؓ کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے۔

۳ - بیہقی میں ہے کہ الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ باب ذکر الیمن والشام) خلافت مدینہ میں ہوگی اور بادشاہی شام میں

۴ - مندرجہ صدر ہر سہ احادیث کی تشریح کے لئے نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر بھی غور کیجئے۔ ان ھذا الامر بدا ء رحمۃ ونبوۃ ثم یکون رحمۃ وخلافۃ ثم ملکاً عضوضاً (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۰)

۳۵ سال کی روایت کی روشنی میں نبی علیہ السلام کے دس سال اور سیدنا صدیق اکبرؓ سے شہادت ذوالنورینؓ تک ۲۵ سال اور سیدنا معاویہؓ سے ہشام تک

۵ - سیدنا ابن مسعودؓ کی ۱۰۵ سال والی روایت کے تحت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:
اس حدیث کا مفہوم خارج میں اس طرح ظہور ہوا کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کے زمانہ میں جہاد کا انتظام ہوا اور پھر اسلام کی چکی دین حق کو دنیا کے باطل دینوں پر غالب کرنے کے لئے چلنی شروع ہوگئی۔ اس تاریخ سے ستر برس کے بعد بنوامیہ کی سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا اور آنحضرتؐ کے ستر سال کی پیشینگوئی پوری ہوئی (ازالۃ الخفاء حصہ اول ص ۴۸۲، ۴۲۹)

۶ - امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں حضرت علیؓ کے زمانہ میں کفار سے کوئی جہاد نہیں ہوا بیشک تینوں خلفاء پر تمام امت متفق ہوگئی تھی اور اس طرح انہیں خلافت کا مقصود حاصل ہوگیا تھا انہوں نے کفار سے جہاد کئے اور ملکوں کو فتح کرکے زیر اقتدار لائے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ ہی شہر فتح ہوئے اس دور میں تلوار فقط اہل قبلہ میں چلتی رہی۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۵)

۲- طبری لکھتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے جب طلحہؓ و زبیرؓ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو سیدنا حسنؓ نے کہا۔ ابا جان آپ میری بات نہیں مانتے تو آپ بے بس بنا کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا تو ہمیشہ لونڈیوں کی طرح زنا تا رہتا ہے تو نے کیا کہا تھا کہ میں نے نہیں مانا۔ حضرت حسنؓ نے کہا ؛

(۱) حضرت عثمانؓ کی محصوری کے وقت میں نے کہا تھا آپ مدینہ چھوڑ دیں ورنہ آپ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ کا قتل آپ کے لئے بہتر نہیں ہوگا۔

۷ (حاشیہ) علامہ موسیٰ جار اللہ اپنی تالیف الرشیدمیں انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ در اصل رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو یہ فرمایا تھا کہ اگرچہ نیکی میں تیرا مقام بلند ہے لیکن ہارونؑ کی طرح تم خلافت کا بار نہیں اٹھا سکو گے۔ کیوں کہ ہارونؑ چالیس دن بھی بارِ خلافت نہ اُٹھا سکے (حاشیہ المنتقٰی صفحہ ۴۵۹۔ ادارہ احیاء السنتہ)

۸- حیات امام مالکؒ کے مولف ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ امام مالکؒ کی نظر میں خلافت کیلئے دوڑتے تھے اور خلافت طلب کرتے تھے اور یہ بات ان کی کمی کا باعث تھی اس لئے وہ نہیں اس شخص کے مرتبہ پر نہیں رکھتے تھے جو خلافت طلب نہیں کرتا تھا۔ حضرت علیؓ اس طرح برسر اقتدار نہیں آئے تھے جس طرح دوسرے خلفاء برسر اقتدار آئے تھے۔

(حیات امام مالک صفحہ ۸۳ کتاب منزل لاہور

۹ - مودودی صاحب لکھتے ہیں : قاتلین عثمانؓ (یعنی حضرت علیؓ) کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں (علیؓ) نے مالک بن حارث الاشتر (مجوسی) محمد بن ابوبکر کو گورنری کے عہدے تک دیئے۔ حالانکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے (خلافت و ملوکیت صفحہ) یہاں مودودی صاحب نے کنانہ بن لبشر کا نام نہیں لکھا جس نے حضرت عثمانؓ کے جسم پر تلوار کے کئی وار کیئے تھے۔ اور سیدنا علیؓ نے اُسے مصر کے گورنر کا مشیر مقرر کیا تھا۔

۱۰- شاہ ولی اللہ کا ایک ارشاد اور سن لیجیے ؛

انعقاد بیعت برائے او وجوب انعقاد بیعت فی حکم اللہ ثبت او متمکن نشد۔ در

(ب) دوسرا مشورہ میں نے یہ دیا تھا کہ آپ اس وقت خلافت قبول نہ کیجئے جب تک تمام شہروں کے لوگ آپ کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کرلیں مگر آپ نہ مانتے۔

(ج) پھر میں نے کہا طلحہؓ و زبیرؓ کی مخالفت کی صورت میں آپ گوشہ نشین ہو جائیں اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں مگر آپ نے میری یہ بات بھی نہ مانی۔

۳۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ آزمائی

(حاشیہ) در خلافت دو در اقطار او حکم او نافذ نگشت و تمام مسلمین تحت حکم او سر فرو نیاوردند۔ جہاد در زمان تو بالکلیہ منقطع (ازالۃ الخفا جلد ۱ صفحہ ۳۲)

۱۱۔ پھر فرماتے ہیں: در عنایت ازلی مقرر بود ہیچگاہ حضرت علیؓ و اولاد او نا دامانِ قیامت منصور نشوند۔ و ہیچگاہ خلافت الشیان علی وجہہا صورت نگیرد۔ (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

اور یہ تفسیر تھی گویا ولا اریکم فاعلین ثم علیؓ کو خلیفہ منتخب کرتے کے نہیں۔

۱۲۔ سب سے پہلے اشتر مجوسی نے بیعت کی تھی (البدایہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۶ طبری جلد ۵ ص ۱۵۶)

○ شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ ایک دن سیدنا حسینؓ اپنے تایا جعفرؓ کے مقابلہ میں اپنے باپ کی بڑائی بیان کرنے لگے تو سیدنا جعفرؓ کے بیٹے عبداللہؓ نے کہا کہ میرے والد تو جنت کے باغوں میں سیر کر رہے ہیں مگر تمہارے باپ مرنین الدماء فی الفتنۃ خانہ جنگیوں کے خون میں نہا گئے۔ مخبر صادق نے خبر دی تھی کہ شہادتِ عثمانؓ پر خلافتِ خاصہ ختم ہو جائے گی۔

○ یہی ابی الحدید کہتے ہیں کہ سیدنا عثمانؓ کے سامنے ایک دفعہ سیدنا علیؓ اور اور سیدنا معاویہؓ آپس میں الجھ پڑے تو سیدنا عثمانؓ نے فرمایا: واللہ لا تصل الیک ولا الی احد من ولدک خدا کی قسم حکومت نہ تمہیں ملیگی اور نہ تمہاری اولاد میں سے کسی اور کو۔ سیدنا اسامہؓ موجود تھے وہ سیدنا عثمانؓ کی اس بات پر حیران ہوئے اور سیدنا سعدؓ سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا۔ عثمانؓ نے سچ کہا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو کہتے سنا کہ لا ینالھا علی کہ علی کو خلافت نہیں ملیگی۔ اب ان تصریحات کو ولا اریکم فاعلین سے ملا کر پڑھیے۔

کی تیاریاں شروع کیں۔ تو حضرت حسنؓ نے عرض کیا: یا ابتی دع ھذا فان فیہ سفک دماء المسلمین۔ ووقوع الاختلاف بینھم (البدایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)
ابا جان! اس جنگ سے رک جایئے۔ کیونکہ یہ جنگ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں خوں ریزی ہوگی اور آپس میں اختلاف پیدا ہوگا۔ اور آگے چل کر زمانے نے دیکھ لیا کہ سیدنا حسنؓ کا سیاسی موقف سیدنا علیؓ کے سیاسی موقف کی نسبت کس قدر اقرب الی الصواب بلکہ مبنی بر حق تھا۔

۱۳۔ ابن خلدون کہتا ہے۔ فاما وقعتہ علی الی اکابر الصحابۃ لیکن حضرت علیؓ کا واقعہ تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اور بیعت کے وقت حاضر نہ تھے۔ اور جو حضرات موجود تھے ان میں سے بعض نے بیعت کرلی اور بعض وہ ہیں جنہوں نے توقف کیا۔ تا آنکہ لوگ اجماع کریں۔ مثلاً سعدؓ، سعیدؓ، ابن عمرؓ اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہؓ بن مظعونؓ، ابو سعید خدریؓ کعبؓ بن اجرہ، کعبؓ بن مالکؓ، نعمانؓ بن بشیرؓ، حسانؓ بن ثابتؓ، مسلمہؓ بن مخلدؓ، فضالہؓ بن عبید وغیرہم اور ان جیسے دوسرے اکابر صحابہ (مقدمہ صفحہ ۱۵۰ مصری)

ابن خلدون کی اس حق بیانی اور دیگر شواہد کی موجودگی میں سیدنا علیؓ کے اس ارشاد کا تاریخ میں کیا مقام رہ جاتا ہے کہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی (نہج البلاغہ)

۱۴۔ مشہور مستشرق محقق وے خوئے لکھتا ہے:

"ALI WAS [redacted] VALIANT PERSON BUT HAD NO GREAT TALENT AS RULER" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن جلد ۱)

۱۵۔ ابن حزم اپنی تالیف نقط العروس میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے مغالبہ یعنی غلبہ و تسلط سے اقتدار حاصل کیا ان میں سب سے اول سیدنا علیؓ تھے (حقیقت خلافت و ملوکیت صفحہ ۲۲۶)۔

۱۶۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ مقاتلات وے برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔

۱۷۔ بخاری میں سیدنا مروان بن الحکم سے عروہ اور ان سے ہشام روایت کرتے ہیں سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد زبیرؓ خلافت کے حقدار ہیں۔

چنانچہ آگے چل کر یہی ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صفین سے واپسی کے وقت سیدنا علی نے سیدنا حسنؓ کو مخاطب کر کے فرمایا یا بنیت! ان اباک مات قبل ھذا الیوم بعشرین عاماً۔ کاش کہ تمہارا باپ آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ یہ سن کر سیدنا حسنؓ نے عرض کیا یا ابت قد کنت انھاک عن ھذا۔ ابا جان! اسی لئے تو میں آپکو اس اقدام سے روکتا رہا۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے پھر فرمایا یا بنیّ انی لم ار ان الامر یبلغ ھذا۔ میرے بیٹے! میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ (ایضاً جلد ۷ صفحہ ۲۴۰)

۴۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں سیدنا حسنؓ ایک روز خطبہ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس خطبہ میں انہوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا: لوگو! میں نے کل رات ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگی ہوئی ہے پروردگارِ کائنات اپنے عرش پر متمکن ہے نبی اکرمؐ تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ تشریف لاتے ہیں اور حضورؐ کے شانۂ مبارک پہ ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اب دیکھیے کہ سیدنا علیؓ کے سر پر خلافت کا تاج رکھنے والے ان کے متعلق کیا کہتے ہیں اور حضرت علیؓ اپنے ان حواریوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغۃ کے ایک خطبہ کے کلمات ہیں: اولیس عجباً ان معاویۃ الخ کیا یہ بات باعثِ حیرانی نہیں کہ معاویہؓ تو اعانت اور عطا کے بغیر جفا کاروں کو حکم دیتا ہے اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں اور میں تم کو حالانکہ تم لقبیہ اسلام اور بقیہ مرم ہو اعانت اور عطا کے ساتھ دعوت دیتا ہوں تو تم میرے پاس سے متفرق ہو جاتے ہو اور میرے سامنے اختلاف کرتے ہو۔

۲۔ طبری کہتا ہے کہ صفین کے موقع پر ان عراقیوں کی ایک جماعت نے ثالثی کی تجویز منوانے کے لئے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر ہماری بات نہ مانی گئی تو تمہارا بھی وہی حشر کریں گے کما فعلنا بابن عفان جو ابن عفان کا کیا تھا (ج ۶ ص ۲۷)

۳۔ کل اہل البصرۃ حضرت علیؓ سے متنفر تھے اور کوفہ، مدینہ کے اکثر لوگ اور مکہ کے تو سب ہی لوگ ان سے متنفر تھے اور جمہور خلائق ان کے مخالف بنی امیہ کے ساتھ تھی۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید)

۴۔ سیدنا علیؓ اپنے حواریوں سے سخت نالاں تھے چنانچہ ابوالفرج اصفہانی جو مسلکاً شیعہ تھا لکھتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا یا اشباہ الرجال الی وا لخذلان لئے نام نصرت مرال ور لے کمینو زنانہ عقل والو میری آرزو ہے کاش میں تمہیں نہ جانتا۔ اور نہ پہچانتا اور کاش میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا مجھے انتہائی ندامت ہے اور دل میں تم سے انتہائی غصہ تم میرے نافرمان اور میرے رسوا کرنے والے ہو (اغانی جلد ۵ صفحہ ۴۳)

۵۔ نہج البلاغۃ کے ایک خطبہ کے الفاظ ہیں: تم لوگوں نے مجھے اپنی رائے پر مستقیم نہیں رہنے دیا اس قدر نافرمانی کی کہ قریش کہنے لگے کہ ابن ابی طالب بہادر تو ہے مگر علم حرب نہیں رکھتا۔

پھر حضرت عمر فاروق اعظمؓ تشریف لاتے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اچانک حضرت عثمانؓ اس عدالت میں آتے ہیں کہ ان کا کٹا ہوا سر ان کے ہاتھوں میں رکھا ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فریاد کناں ہوتے ہیں کہ اے پروردگار! اپنے ان بندوں سے جو تیرے آخری نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور جو خود کو مسلمان کہتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا بایّ ذنب قُتِلَ - اس کے بعد حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی اس فریاد پر میں نے دیکھا کہ عرش الٰہی تھرا گیا اور آسمان سے خون کے دو پرنالے جاری کئے گئے جو زمین پر خون برسانے لگے۔ حضرت حسنؓ کے اس بیان کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ سے جو اس خطبہ میں موجود تھے شکایتاً پوچھا — کہ حسنؓ کیا کہہ رہے ہیں - چونکہ یہ خواب حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر مہر تصدیق ثبت کر رہا تھا - قاتلین عثمانؓ جو حضرت علیؓ کی لچک کے کرتا دھرتا تھے کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حسنؓ وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو انھوں نے دیکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سیدنا حسنؓ شروع سے ہی اس جنگ وجدل کے حق میں نہ تھے اور خون کے ان دو پرنالوں سے مراد جمل وصفین کے معرکے ہیں۔

(حاشیہ) ۶ - باقر مجلسی کہتا ہے کہ جب جناب امیر کے اصحاب نے ان کی نصرت ومددگاری نہ کی تو آپ نے بالائے منبر ارشاد فرمایا۔ بخدا سوگند مجھے منظور ہے کہ خدا مجھے تم سے اٹھالے (جلاء العیون صفحہ ۲۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نہ ہی نبی علیہ السلام نے آپ کی خلافت کے لئے کچھ ارشاد فرمایا۔ نہ ہی صحابہ کرام میں سے سوائے چند ایک کے کسی نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا - اور نہ ہی آپ کو خلیفہ منتخب کرنے والوں نے آپ کا ساتھ دیا۔

ان حالات میں اگر سیدنا علیؓ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر عمل فرماتے جو ملّا باقر مجلسی نے اپنی شہرۂ آفاق تالیف جلاء العیون میں بیان کیا ہے - یعنی سیدنا علیؓ نے شہادت کے وقت سیدنا حسنؓ کو فرمایا " میں تم کو اس طرح وصیت کرتا ہوں جس طرح مجھے رسول خدا نے وصیت کی ہے۔ اے فرزند جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب تم سے موافق نہ رہیں - اس وقت خانہ نشین رہنا اور گناہوں پر رونا اور دنیا کو مقصود بزرگ قرار نہ دینا (جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ سطر ۱)

کاش کہ سیدنا علیؓ خود اس بات پر عمل فرماتے تو نہ ہی جنگ جمل کا معرکہ پیش آتا۔ نہ ہی صفین میں قتل عام - اور نہ ہی کربلا کا المیہ امت میں تشتت وافتراق کا سبب بنتا ۔

واقعۂ تحکیم

سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت کی مدت ۳۵ھ تا ۴۰ھ ہے۔

آپ کی نام نہاد خلافت کے دو دور ہوئے۔ پہلا دور ابتدائے خلافت سے عزل تک اور دوسرا دور عزل ۳۷ھ کے فیصلہ تحکیم سے شہادت تک۔

جنگ صفین میں قتل عام نے پورے عالم اسلام کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ خود سیدنا علیؓ اور ان کے کیمپ کے وہ لوگ جن کا شہادت عثمانؓ سے کوئی تعلق نہ تھا اور جو اس وقت تک صحیح واقعات کو سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اس قتل عام سے ان کی باطنی حسیں بیدار ہو رہی تھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہو چکے تھے کہ جس قدر جلد ہو سکے اس خانہ جنگی کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ دوسری طرف سیدنا معاویہؓ اور ان کے کیمپ کے لوگ شروع سے ہی اس خانہ جنگی سے متنفر تھے اگرچہ قاتلینِ سیدنا ذوالنورینؓ سے قصاص کے مطالبہ کے موقف پر وہ قائم تھے مگر لڑائی میں اول سے آخر تک ان کا انداز صرف مدافعانہ تھا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر

سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ سے کوئی ذاتی مخاصمت
یا حصولِ خلافت کے لئے کوئی چپقلش ہوتی
تو ان کے لئے بہترین موقع تھا کہ وہ جنگِ
جمل میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا ساتھ دیتے

جنگِ جمل کے وقت سیدنا معاویہؓ کا خیال تھا کہ سیدنا ذوالنورینؓ کے خونِ ناحق کے قصاص کے لئے جب تمام امت کی جلیل القدر ماں مطالبہ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہیں تو کوئی صورت نہیں کہ وہ اپنے اس مبنی برحق مطالبہ میں کامیاب نہ ہو سکیں مگر جب واقعات نے الٹ صورت اختیار کر لی تو قصاص کے مطالبہ کی صدائے بازگشت شام کی وادیوں سے گونجنے لگی۔ سیدنا علیؓ کو یہ صورتِ حال

پسند نہ تھی - چنانچہ آپ اپنے مستقر خلافت کی طرف سے عازم شام ہوئے سیدنا معاویہ رضؓ کے لئے خونِ ذوالنورین رضؓ کے قصاص کے مطالبہ کے ساتھ انہیں اپنی سلامتی کی فکر بھی لاحق ہو گئی - اور پھر اس صورت میں کہ سیدنا علی رضؓ کو ان کی نام نہاد خلافت سے انہی کے مقرر کردہ ثالثوں نے تمام عالم اسلام کے مشورہ سے خلافت سے معزول کر دیا تھا[۱]

---

[۱] جنگ صفین کے بعد سیدنا علی رضؓ اور سیدنا معاویہ رضؓ بلکہ تمام امت کے مشورہ سے فیصلہ ہوا کہ اس جھگڑے کے تصفیہ کے لئے دو حکم تجویز کیے جائیں - سیدنا معاویہ رضؓ کی طرف سے سیدنا عمرو رضؓ بن العاص اور سیدنا علی رضؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضؓ حکم مقرر ہوئے - ہر دو نے پورے چھ ماہ غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ سیدنا علی رضؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں - اس موقع پر فریقین کی طرف سے چار چار سو منتخب افراد موجود تھے ! در لطف یہ کہ مغیرہ رضؓ بن شعبہ جو سیدنا علی رضؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے تھے وہ آپ کے بھتیج داماد تھے - دوسری بات یہ کہ معاملہ زیر بحث سیدنا علی رضؓ کی خلافت کا تھا کہ انہیں بحال رکھا جائے یا انہیں معزول کر کے نئے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے -

سیدنا معاویہ رضؓ کی پوزیشن ایک صوبہ کے عامل کی تھی - ان کا عزل یا اپنے صوبہ پر عامل رہنا خلیفہ وقت کے اختیار میں تھا - نہ کہ حکمین کے اختیار میں - اور پھر ہمیں کسی تاریخ میں سے اس قسم کا ایک ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا - کہ آپ مدعی خلافت تھے - سیدنا علی رضؓ سے آپ کا اختلاف صرف اس بات پر تھا کہ قاتلین عثمان رضؓ سے قصاص لیا جائے - سیدہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے کہ بعد سیدنا عثمان رضؓ کے ولی الدم آپ ہی تھے - سیدنا علی رضؓ کو صفین سے واپسی کے بعد خود معلوم ہو گیا تھا انہ لا یملک ابداً کہ وہ کبھی حکمران نہ رہ سکیں گے بلکہ آپ رضؓ نے سیدنا حسن رضؓ کو سیدنا معاویہ رضؓ کی خلافت کے متعلق واضح طور پر فرما دیا تھا کہ معاویہ رضؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا - قسم بخدا اگر تم نے انہیں بھی گنوا دیا تو دیکھنا کہ کندھوں سے سر حنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے - (ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

سیّدنا حسنؓ کی خلافت

سیدنا علیؓ شہادت کے وقت سیاسی زبان میں ایک معزول خلیفہ تھے۔ اس صورت میں سیدنا حسنؓ کی شخصیا خلافت کو بھی ایک قسم کا عبوری دَور ہی کہا جائے گا۔

اول تو سیدنا علیؓ اس بات کے مجاز ہی نہ تھے کہ معزول ہونے کے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر فرماسکیں اور پھر اس قسم کے شواہد بھی تشنہ معنی ہیں جن میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے آخری وقت سیدنا حسنؓ کی خلافت کے لئے وصیت فرمائی تھی۔

چنانچہ مشہور شیعہ محقق ملاّ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ جب اکیسویں ماہ مبارک رمضان کی ہوئی حضرت (علیؓ) نے اپنے فرزندوں اور اہل بیت کو جمع کر کے فرمایا۔ خدا میری جانب سے تم پر خلیفہ ہے۔ وہی خلیفہ ہے اور وہ نیک وکیل ہے۔

(جلاء العیون جلد اوّل صفحہ ۲۸۵ سطر ۱-۲)

چونکہ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد نصف عالم اسلام ایک خلا کا شکار ہو گیا تھا۔ اور موقعہ پر اس مرتبہ و مقام کا کوئی دوسرا شخص بھی موجود نہ تھا اس لئے سیّدنا حسنؓ زمام کار اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس نام نہاد خلافت کا بوجھ اٹھانے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔

ایک طرف آپ کے سمع مبارک تک اپنے متعلق یہ بات پہنچ چکی تھی کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کا سبب بنے گا۔ اور دوسری آپ تک نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی آواز بھی پہنچ چکی تھی کہ لا تذھب الایام واللیالی حتی یملک معاویہ۔ یعنی ایک نہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ معاویہؓ بادشاہ بن جائیں گے پھر آپ کے سامنے اپنے گرامی قدر والد کی اس وصیّت کے الفاظ بھی تھے کہ بیٹا! تم معاویہؓ کی حکومت سے نفرت نہ کرنا۔

کیا سیدنا حسنؓ بھی نام نہاد خلیفہ تھے؟

یہ وہ عنوان ہے جس کی طرف آج تک کسی مورخ نے توجہ نہ دی بلکہ اس عنوان کو ہر مورخ سرسری طور پہ نظر انداز کرتے ہوئے آپ کی خلافت کو بھی ایک قسم کا عبوری دور کہتے ہوئے گزر گیا۔ مگر ایک لحاظ سے آپ کو مسلمہ خلیفہ کہنا بھی بے جا نہیں۔

۱۔ چونکہ آپ کی خلافت کے خلاف تمام عالم اسلام میں کسی ایک مقام سے بھی کوئی آواز نہ اٹھائی گئی۔ حالانکہ حضرت علیؓ کو زمام خلافت سنبھالتے ہی اس قسم کی آوازیں ہر چہار اطراف سے سننا پڑی تھیں کہ یہ خلافت قاتلینِ سیدنا ذوالنورینؓ کی جتھہ بندی سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔

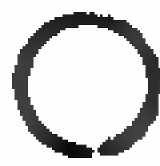
۲۔ آپ نے حصول خلافت کے لیئے خود کوئی کوشش نہ کی بلکہ موجود افراد نے جن میں صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ خلیفہ منتخب کیا۔

سیدنا حسنؓ سیدنا معاویہؓ کے حق میں امورِ خلافت سے دستبردار ہو گئے

سیدنا حسنؓ اگر خلافت پر قائم رہنا چاہتے تو سیدنا معاویہؓ یقیناً ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیتے۔ مگر سیدنا حسنؓ کے پیش نظر نبی علیہ السلام کی وہ بشارتیں موجود تھیں جو گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔ آپ کے لیئے سیدنا معاویہؓ کے حق میں امور خلافت سے دستبردار ہونا بھی آسان نہ تھا۔ آپ خوب جانتے تھے کہ سبائی فتنہ پرداز وں کے گھیراؤ سے نکل کر امور خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کرنے کے راستہ میں کئی مشکلات ہیں۔ آپ نے پہلے اس امر کے لیئے فضا سازگار کرنا شروع کی۔ چنانچہ مجلسی کا کہنا ہے کہ جلد جلد لوگ امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اور امام حسنؓ نے ان سے شرط کی کہ جس سے میں صلح کروں تم بھی صلح کرو اور جس

سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرو۔ ان لوگوں نے قبول کیا (از ترجمہ جلاء العیون جلد ا صفحہ ۲۴۴)
گویا امر خلافت کے انعقاد کے وقت ہی آپ اس بات کا ارادہ کئے ہوئے تھے کہ میں
اس ذمہ داری سے سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو جاؤں گا۔
ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ تحقیق میں بعد حمد و نعت خدا امید رکھتا ہوں کہ
اس خلق پر بہترین خیر خواہ ترین مردم ہوں اور کسی مسلمان کی طرف سے میرے دل
میں کینہ نہیں اور کسی طرف سے میرے دل میں ارادہ بدی نہیں اور مسلمانوں کی
جمعیت کو پراگندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ اور جو صلاح تم اپنے حق میں بہتر جانتے
ہو۔ اس سے بہتر جانتا ہوں۔ پس لازم ہے کہ میرے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ اور
میری رائے کو اپنے حق میں رد نہ کرو۔ (از ترجمہ جلاء العیون جلد ا صفحہ ۳۴۵)
ان تصریحات سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ خوب جانتے تھے کہ امور خلافت سے
دستبرداری پر یہ لوگ شاید صرف مخالفت پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ ہو سکتا ہے کہ مجھ
پر حملہ آور بھی ہو جائیں۔ آپ کا یہ قیاس سو فی صدی درست نکلا۔
گروہ سبائیہ نے آپ پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ معاویہؓ سے فوراً جنگ شروع
کی جائے۔ حالانکہ وہ لوگ خوب جانتے تھے کہ معاویہؓ سے ٹکر لے کر سیدنا علیؓ عہدہ برآ
نہیں ہو سکے۔ تو موجودہ حالات میں یہ پیش قدمی ہمارے بس کا روگ نہیں مگر
انہیں فتح یا کامرانی سے غرض نہ تھی۔ ان کا اصل مقصد و مدعا یہ تھا کہ

مسلمانوں کو آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیا جائے
تاکہ دین مجوس و یہود سے جرائم معرض وجود
میں آ چکا ہے حکومت اس کے ہاتھوں میں
آ جائے۔



سیدنا حسنؓ نے برضا و رغبت سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی

سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کے محرکات صفحات گذشتہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس موقعہ پر الامامۃ والسیاسۃ[1] کے رافضی مولف نے نہایت پتے کی بات کہی ہے۔ سیدنا حسنؓ نے ایک موقع پر فرمایا ان ابی کان یحدثنی الخ میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ ضرور خلافت پر فائز ہوں گے۔ خدا کی قسم اگر پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹایا جا سکتا ہے۔

(الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۱۴۷)

سیدنا علیؓ کو خوب معلوم ہو چکا تھا کہ میرے ارد گرد جو لوگ جمع ہیں یہ سب کے سب ناقابل اعتماد اور اسلام دشمن ذہنیتوں کے حامل ہیں۔ اسی لئے بار بار آپ سیدنا حسنؓ کو وصیت فرماتے رہے کہ تمہیں ہر صورت میں سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوگی۔

بیعت کس طرح ہوئی | ملا باقر مجلسی کی زبانی سنیئے حضرت حسنؑ جب اپنے لشکر کی بے وفائی، سستی اور نفاق پر مطلع ہوئے۔ تو فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم لوگ مکار ہو لیکن میں خدا کی حجت تم پر تمام کرتا ہوں۔ لازم ہے کہ کل فلاں موضع میں جمع ہو جاؤ۔ اور بیعت نہ توڑو۔ عقوبت الٰہی سے ڈرو۔ پس دس روز تک اس مقام پر توقف فرمایا۔ مگر چار ہزار سے زیادہ لوگ آپ کے پاس جمع نہ ہوئے۔ امام حسنؑ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھے اس گروہ

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ کو ابی عبداللہ بن مسلم قتیبۃ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ کی تالیف بیان کیا جاتا ہے۔ جو سراسر غلط ہے دینوری کی تالیفات کی فہرست جو ابن ندیم نے دی ہے اس میں الامامت و السیاست کا نام نہیں اور الامامت والسیاست میں بعض واقعات چند مصری علماء سے روایت کئے گئے ہیں۔ حالانکہ دینوری کبھی مصر گئے ہی نہیں۔

سے تعجب ہے جو نہ حیا رکھتے ہیں نہ ایمان۔ تم پر وائے ہو۔ بخدا سوگند معاویہؓ جس بات کا میرے قتل پر ضامن ہوا اس پر وہ وفا نہ کرے گا۔ اور میں تمہارے لئے چاہتا تھا کہ دینِ حق کو برپا کروں مگر تم نے میری مدد نہ کی۔ میں تنہا عبادتِ خدا کر سکتا ہوں۔

.... جب امام حسنؓ اپنے اصحاب سے مایوس ہوئے تو معاویہؓ کو جواب دیا۔

..... کہ میں چند شرائط پر تجھ سے صلح کرتا ہوں۔

(جلاء العیون جلد اوّل صفحہ ۳۴۶/۳۴۷)

ملا باقر صاحب تو یہاں حضرت حسنؓ کے ساتھ چار ہزار آدمی بیان کرتے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہے اس مقام پر امام بخاریؒ کی روایت صحیح صورت کو سامنے لاتی ہے۔

.... سیدنا معاویہؓ نے بنو عبد الشمس میں سے دو آدمیوں یعنی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن کریز کو سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے سامنے اپنے مطالبات رکھو۔ چنانچہ دونوں صاحب تشریف لائے۔ ملاقات کی۔ گفتگو کی۔ پیغام پہنچایا اور مطالبات پیش کئے۔ حسنؓ بن علیؓ نے فرمایا۔ ہم بنو عبد المطلب اس مال (خلافت) سے بہرہ پائے۔ اور اس امت نے بے وجہ اپنا خون ضائع کیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ان (معاویہؓ) کی طرف سے یہ پیشکش ہے اور ایسا ایسا مطالبہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس کی ضمانت کون دے گا؟ ان دونوں نے کہا۔ ہم اس کے ضامن ہیں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے جو بھی کہا وہ کہتے گئے۔ ہم اس کے ضامن ہیں۔ اسی طرح انہوں نے صلح کر لی۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے امام حسنؓ کو اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ اور پیار کر کے کہا۔ یہ میرا فرزند اس امت کا بزرگوار ہے اور شاید خدا ببرکتِ حسنؓ اس امت کے دو گروہوں میں صلح کرا دے۔ (جلاء العیون صفحہ اوّل صفحہ ۱۳۱ سطر ۱-۲)

ملا باقر کے اس قول میں خط کشیدہ الفاظ ان جاہل سبئیوں کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ ہے جو سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو فئۃ الباغیۃ کہتے ہیں۔

غرضیکہ سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی جو صورت بھی تھی اس سے آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سیدنا حسنؓ، سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار

ہو گئے۔ یہ بیعت ہزرجیل کے کنارے مسکن کے مقام پر ربیع الاول ۴۱ھ میں لکھی گئی۔

خلع خلافت کے بعد

اب ایک شیعہ مجتہد اور مورخ کی زبانی سنیئے:

جب حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے صلح کر لی تو لوگ ان کے پاس گئے اور بعض لوگوں نے ان (حسنؓ) کو معاویہؓ سے بیعت کر لینے پر ملامت کی تو انہوں نے کہا تمہاری خرابی ہو تم کیا جانو میں نے کیا کام کیا۔ خدا کی قسم میں نے جو کام کیا ہے وہ میرے طرفداروں کے لئے تمام دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے (احتجاج طبرسی)

اس کے بعد یہ غالی مصنف لکھتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہیں جس کی گردن میں اپنے زمانہ کے کسی گمراہ کی بیعت نہ ہو۔ اس فقرہ کی تشریح و تفسیر کسی شیعہ مجتہد کو ہی معلوم ہو گی کہ تمام معصوم آئمہ کی تمام زندگیاں گمراہوں کی بیعت میں گزریں ؏

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

اب تاریخ اس موڑ پر پہنچ جاتی ہے کہ کس طرح ان ناہنجار اور بدبخت اشقیاء نے سیدنا حسنؓ کو ذلیل و رسوا کیا۔ بلکہ نوبت بانجا رسید کہ اگر ان کا بس چلتا تو وہ آپ کو بھی شہید کر دیتے۔ چنانچہ سید حسین بن احمد بن اسماعیل بن زینی الحسنی المعروف البراقی جو خاص نجف کے رہنے والے ہیں لکھتے ہیں کہ جب حسنؓ کے لشکریوں نے بعد خلع خلافت انہیں تنگ کیا تو آپ نے فرمایا تم نے مجھے زخمی کیا، میرا خیمہ لوٹا۔ مجھے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا کہا۔ اور میرے باپ کو شہید کیا۔ اب مجھے اور کیا کہنا چاہتے ہو۔

تاریخ کوفہ ص ۲۱ بحوالہ العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ سنہ ۱۳۰۵ھ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۹۲۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

یعنی سیدنا حسنؓ خوب جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ہی میرے باپ کو شہید کیا ہے۔ اب آگے چل کر یہ مجھ سے کیا سلوک کریں گے لہ

لہ سیدہ سکینہ بنت علی واقعہ کربلا کے بعد واشگاف شیعان علی کو حسینؓ کا قاتل کہا تھا۔ سیدہ سکینہ بنت علیؓ نے اپنے خاوند مصعب بن زبیر کے قتل پر ان کوفیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا قتلتم ابی وجدی وعمی واخی وزوجی تم نے ہی میرے باپ حسینؓ کو میرے دادا علیؓ کو میرے تایا حسنؓ کو میرے بھائیوں اور میرے خاوند کو قتل کیا ہے۔ اقتلیتمونی صغیرۃ جب میں چھوٹی تھی تو تم نے مجھے یتیم کیا اور جب بڑی ہوئی تو بیوہ کیا۔ (تاریخ کوفہ مورخ براقی ص ۲۴۷)

سیدنا حسنؓ کا خلع خلافت اور اُن کے لشکری

ملا باقر کہتے ہیں کہ امام حسنؓ نے حمد و ثنائے الٰہی فرما کر معاویہؓ سے جہاد کا حکم دیا۔ حضرت کے کسی اصحاب نے جواب نہ دیا اس کے بعد عدی بن حاتم منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا۔

سبحان اللہ! تم لوگ کیا فرقہ ناہنجار ہو تم کو فرزند رسول خداؐ جہاد کا حکم فرماتے ہیں اور تم قبول نہیں کرتے کیا ہوئے تمہارے شجاع آیا تم لوگ غضب خدا سے نہیں ڈرتے۔ اور ننگ و عار سے پرواہ نہیں کرتے۔ یہ سُن کر ایک گروہ نے عدی بن حاتم کا ساتھ دیا۔ امام حسنؓ نے فرمایا اگر سچ کہتے ہو تو جانب نخیلہ جہاں میرا لشکر ہے جاؤ۔ اور مجھے معلوم ہے اپنے قول پر وفا نہیں کرو گے جس طرح اس سے وفا نہ کی جو مجھ سے بہتر تھا۔ اور میں تمہارے کہنے پر کیوں کر اعتماد کروں۔ حالانکہ میں نے دیکھا جو تم نے پدر کے ہمراہ سلوک کیا۔ یہ فرما کر منبر سے نیچے تشریف لائے اور سوار ہو کر متوجہ لشکر گاہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے جن لوگوں نے اظہار اطاعت کیا تھا۔ اکثر نے اپنے قول پر وفا نہ کی۔ اور حاضر نہ ہوئے۔ پس وہاں امام حسنؓ نے خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا مجھے فریب دیا جس طرح تم نے مجھ سے بہتر کو فریب دیا۔ اور نہیں معلوم میرے بعد تم کس امام سے مقاتلہ کرو گے (جلاء العیون جلد اول ۳۴۱)

آگے چل کر ملا باقر رقمطراز ہے۔ امام حسنؓ نے فرمایا پس لازم ہے کہ تم میرے حکم کی مخالفت نہ کرو اور میری رائے کو اپنے حق میں رد نہ کرو۔ امید ہے خدا مجھے اور تمہیں بخش دے اور ہمیں تمہیں جس میں اس کی محبت و خوشنودی ہے ہدایت کرے۔ جب ان منافقین نے یہ کلام حضرت سے سُنا ایک نے دوسرے پر نظر کی اور اس کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہؓ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ خلافت معاویہؓ کو دیدیں پس سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور بلوہ کر دیا اور سارا اسباب امام حسنؓ کا لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور ردا دوش مبارک سے اُتار لی۔ پس امام حسنؓ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے۔ اہل بیت آنحضرتؐ نے تھوڑے شیعوں کے

ہمراہ حضرت کو بیچ میں لے لیا اور جب ساباط مدائن میں پہنچے جراح بن سنان اسدی شقی نے لگامِ اسپ آنحضرت پکڑ لی اور ایک خنجر ران مبارک پر مارا۔ کہ استخوان تک شگافت ہو گیا۔ اور بروائیت دیگر پہلو پر خنجر مارا۔ پس ملازمان و ہوا خواہان دوستان امام حسنؑ نے اس ملعون کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اور حضرت کو عماری میں بٹھا کر مدائن لے گئے اور سعد بن مسعود ثقفی کے گھر میں کہ وہ حضرت کی طرف سے والی مدائن تھا نزول اجلال فرمایا۔ اور وہ مختار کا چچا تھا۔ پس مختار[1] اپنے چچا کے پاس آیا اور کہا چلو امام حسنؑ کو ہم معاویہ کو دیدیں شاید معاویہ اس کے عوض میں ہم کو ولائیت دیدے۔ سعد نے کہا تیرا بُرا ہو تو کیا بکتا ہے۔ میں امام حسنؑ اور انکے پدر بزرگوار کی طرف سے مدائن کا حاکم ہوں۔۔۔۔!

۱؎ مختار ثقفی جس نے اس مقام پر اپنے چچا کو مشورہ دیا کہ سیدنا حسنؓ کو گرفتار کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس پہنچا دیا جائے شاید اس کے عوض میں ہمیں معاویہؓ کوئی ولایت دیدے۔ آگے چل کر تاریخ اسلام کے ایک نہایت گھناؤنے کردار کی صورت میں نمودار ہوا۔ مگر شیعہ مختار کو امیر مختار رضی اللہ تعالےٰ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مختار کے متعلق پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے اپنی تالیف تاریخ اندلس میں بڑی تفصیل سے واقعات لکھے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ مختار نہایت چالاک، سفاک، ہوشیار مگر بے اصول آدمی تھا۔ غصہ میں شیر اور مکاری میں روباہ سے کم نہ تھا۔ کبھی خارجی رہا، کبھی زبیری اور آخر میں شیعہ ہو گیا۔ آزاد سے آزاد جمہوریت کے حامیوں سے لے کر مطلق العنان بادشاہی کے پسند کرنے والوں تک کوئی فریق ایسا نہ تھا جس میں مختار کبھی نہ کبھی شریک سا رہا ہو۔ اپنے اس تلون سے سب سے لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ اس کے ایمان میں خلل ہے انصاف پر مبنی بتانے کے لئے اس نے اپنی ہی طبیعت اور مزاج کا ایک خدا بھی ایجاد کر لیا تھا۔ اس کے خدا کی تلون مزاجی کا یہ حال تھا کہ جس بات کا آج خیال یا قصد یا ارادہ یا حکم کیا ہے وہ کل بدل سکتا تھا۔ ایسے خدا کے عجیب اور مہمل اعتقاد میں ایک بڑا نفع یہ تھا کہ جب مختار اپنی غیب دانی اور الہامی قابلیتوں پسند کرنے لگتا تھا تو کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اگر اس کی پیش گوئی کے مطابق نہ اترتا تو وہ آسانی سے جواب دیتا تھا کہ خدا نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ مختار نے جتنے سوانگ بھرے بڑی عمدگی سے بھرے لیکن شیعوں کی سرداری کا سوانگ جب بھرا تو اس کی طبیعت اور مزاج کے لیے بہت ہی مرغوب اور موزوں تھا۔ مختار نے جب لشکر شام کے مقابلہ پر

(باقی اگلے صفحہ پر)

جب شیعانِ امام حسنؑ نے یہ کلام سُنا تو چاہا کہ مختار کو قتل کر دیں۔ مگر بشفاعت عم مختار اس کی تقصیر سے درگذر کیا۔ پس سعد ایک جرّاح کو لایا اور زخم کا علاج کیا۔ اکثر روسائے لشکر امام نے معاویہؓ کو لکھا کہ ہم تمہارے مطیع و منقاد ہیں تم جلد عراق پہنچو۔ ہم حسنؑ کو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے۔

مجھے ملّا باقر کے ایسے مزخرفات سے اتفاق نہیں ہے۔ اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ سیدنا حسنؑ نے اپنی باطنی فراست اور بصیرت سے اندازہ لگا لیا تھا اور نبی اکرمؐ کے ارشاد اور اپنے والد گرامی قدر کی وصیت کے مطابق وہ اس مقام پر پہنچے تھے کہ اُمت کی بھلائی صرف اس بات میں ہے کہ اُمورِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کر دیئے جائیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) جانے کے لئے اپنے لشکر کو حکم دیا تو اُن کے سامنے ایک کرسی لا کر رکھ دی۔ جو کسی بڑھئی سے بہت ہی واجبی قیمت یعنی دو چار روپے میں خریدی تھی۔ مگر اس کو ریشم سے منڈھ کر یہ بتایا کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی کرسی ہے اور اس کو پیش کر کے یہ تقریر کی:۔

"اے لشکر کے لوگو! یہ کرسی تمہارے حق میں ایسی ہی مبارک ہے جیسے کہ تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا اسے لڑائی میں اپنے ساتھ رکھو اور جہاں سب سے زیادہ کشت و خون ہو وہاں اسے رکھ دو اور پھر اُسے دشمن سے بچاؤ۔ اگر فتح ہو جائے تو سمجھو کہ خدا نے تمہاری مدد کی ہے اور اگر شکست ہو تو ہمت نہ ہارنا کیونکہ مجھ کو الہام ہوا ہے کہ ایسی صورت میں تم پر ملائکہ کا نزول ہوگا۔ اور تم ملائکہ کو دیکھو گے کہ وہ سپید کبوتروں کی شکل میں اوپر اُڑتے ہوں گے۔ اصل میں مختار نے چند کبوتر جو کہ گھر میں پالے گئے تھے اپنے چند معتبر دوستوں کو جو لشکر کے ساتھ جا رہے تھے یہ کہہ کر دے رکھے تھے کہ اگر لڑائی میں بات بگڑ جائے تو کبوتروں کو چھوڑ دینا مختار جانتا تھا کہ جب ان کبوتروں کو چھوڑا گیا تو وہ سیدھے کوفہ واپس آئیں گے۔ اس کے دو فائدے تھے ایک تو اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ کبوتر آنے پر میں بھاگ نکلوں گا اور دوسرے یہ کہ لشکری ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اگست ۶۸۶ء میں موصل کے قریب جنگ ہوئی اور ان کا سردار عبید اللہ بن زیاد مارا گیا آخر مختار مصعب بن زبیر کے ہاتھوں قتل ہوا (تلخیص عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۸)

(آگے چل کر مختار کی اس سُنت پر عمل کرنے والے ہزاروں اشخاص پیدا ہوئے (اساس الاصول صفحہ ۶۵ مولفہ دلدار علی مجتہد
(باقی اگلے صفحہ پر)

عام الجماعت یہ وہ مبارک سال ہے جس کو متاخرین نے اتحاد و اتفاق کا سال قرار دیا۔ عالمِ اسلام کا تشتت و افتراق ختم ہو گیا۔ بچھڑے ہوئے گلے ملے۔ جہاد کا تلپٹ شدہ فریضہ از سرِ نو ایک نظام کے تحت شروع ہوا۔ اور اس تمام سعادت و خوش بختی کا سہرا صرف ایک واحد شخصیت کے حصے میں آیا جسے تاریخ نواسۂ رسولؐ لختِ جگرِ فاطمہؓ، فرزندِ علیؓ سیدنا حسنؓ کے نام سے جانتی اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) کی یہ روایت کہ فرمایا امام جعفرؑ نے کہ میں ستر پہلو رکھ کر بات کرتا ہوں سے کر مرزا قادیانی تک اس سنت پر عمل کرنے والے تاریخ کے صفحات میں ہزاروں اشخاص آپ کو نظر آئیں گے۔ اور پاکستان بننے کے بعد ہمارے وہ لیڈر جو آئے روز گرگٹ کی طرح سیاسی پارٹیاں بدلتے چلے آ رہے ہیں سب مختار کی روحانی ذریت ہیں) آج مختار کو حضرت امیر مختار کہنے والوں کی کمی نہیں جن لوگوں نے فاروق اعظمؓ کو شہید کرنے والے مجوسی غلام فروز کو بابا شجاع رضی اللہ تعالےٰ کہا انہوں نے مختار کو یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ وہ طالبیوں کا جانی دشمن تھا محض اس وجہ سے امیر کا خطاب بخشا کہ اس نے مسلمانوں کے قتل عام میں اپنی توانائیاں صرف کرنے میں پوری پوری کوشش سے کام لیا۔

مختار کا کل زمانہ حکومت ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ سے [illegible] رمضان ۶۷ھ یعنی صرف ۱۸ ماہ ہجری ہے مگر اس مختصر عرصے میں اس نے حبِ اہلِ بیت کا سوانگ بھر کر جو قتل عام کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے حالانکہ شیعیت کے مزعومہ آئمہ اسے ہمیشہ دھتکارتے رہے۔

چھٹے امام حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ مختار حضرت امام زین العابدین سے غلط روایتیں منسوب کرتا تھا (رجال کشی بحوالہ مختار نامہ صفحہ ۳۱)

پانچویں امام محمد باقر کہتے ہیں کہ مختار نے زین العابدین کی خدمت میں تحائف بھیجے مگر انہوں نے یہ کہہ کر کہ میں دروغگو کا ہدیہ قبول نہیں کرتا سب تحائف واپس بھیج دیئے (مختار نامہ صفحہ ۳۱)

ایک دفعہ مختار نے امام زین العابدین کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے مگر آپ نے قبول کرنا مکروہ سمجھا اور واپس بھیجنے میں خطرہ محسوس کیا رقم لے کر وقف کر دی مختار کے قتل کے بعد امیر المومنین عبد الملک کو مطلع کیا انہوں نے کہا خرچ کر لیجئے (کتاب مختصر شیخ حسن بن سلیمان بحوالہ مختار نامہ صفحہ ۲۹)

(باقی اگلے صفحہ پر)

پہچانتی ہے۔ اس لطلِ جلیل اور رجلِ عظیم کے احسانات سے اُمت قیامت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی۔ آپ کے اس عظیم کارنامہ اتحاد المسلمین کی پھر وہی کیفیت سامنے آگئی جو خلفائے ثلاثہؓ کے زمانہ میں موجود تھی۔

حضرت معاویہؓ اس کے بعد بیس سال تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔ اور اپنی بے نظیر فراست بے مثال حسنِ تدبیر سے اندرونِ ملک تمام فتنہ دازانہ سرگرمیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ اور بیرونِ ملک جہاد کا از سرِ نو انتظام کیا گیا۔ ہر طرف خوشی و انبساط، مرفع الحالی اور فارغ البالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر معاویہؓ اپنے اصول حکمرانی، حلم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا سے رعایا کے محبوب بن گئے۔ مسلمان نسلیں رہتی دنیا تک سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ کی شکر گذار رہیں گی۔

تاریخی صفحات میں سیدنا امیر معاویہؓ کو اموی سلطنت کا بانی کہا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سلطنت اُموی کے بانی اس لحاظ سے سیدنا حسنؓ تھے

شرائطِ صلح

مختلف تاریخوں میں شرائطِ صلح کی دفعات و تفصیلات میں اختلاف ہے مگر

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) امام زین العابدین مختار پر لعنت بھیجا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اس نے ہم پر اور خدا پر بہتان باندھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت جعفر (صادق) کہتے ہیں کہ حضرت سید الثقلین حضرت امیر المومنین اور حضرات حسنینؓ اُسے جہنم میں دیکھیں گے ابتدا میں وہ جعفر (صادق) کی امامت کا قائل نہ تھا۔ بلکہ جہنم بن صفوان کے عقیدے پر تھا۔ جناب امیرؓ کی شہادت پر لوگوں کا خیال تھا کہ مختار بھی ابن ملجم کا ساتھی ہے اس لئے کوفہ میں ہر نماز کے بعد لوگ اس پر لعنتیں بھیجا کرتے تھے۔

(تلخیص تقریظ سید محمد ابراہیم مجتہد العصر
بحوالہ مختار نامہ صفحہ نمبر ۴/۹ نمبر ۳

دینوری کا بیان قرین قیاس نظر آتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق صلح کی دفعات حسبِ ذیل تھیں:۔

۱۔ کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔

۲۔ بلا استثنا سب کو امان دی جائے۔

۳۔ اہلِ عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے۔

۴۔ دارالجبرد کا پورا اخراج حضرت حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۵۔ حضرت حسنؓ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائیں۔

۶۔ وظائف میں بنی ہاشم کو بنی اُمیہ پر ترجیح دی جائے۔

سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنے قلم سے یہ اقرار نامہ لکھ کر اکابرینِ شام کی شہادتیں لکھوا کر اور مہر کر کے عبید اللہ ابن عباس کے ذریعے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۱)

طبری جس کی تاریخ تضاد بیانیوں کا مجموعہ ہے یہاں بھی متضاد روایتیں بیان کرتا ہے پہلی روایت کے مطابق تین شرطیں بیان کرتا ہے۔

۱۔ کوفہ کے بیت المال کا تمام روپیہ حضرت حسنؓ کو دے دیا جائے۔

۲۔ دارالجبرد کا خراج آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۳۔ حضرت علیؓ پر سبّ و شتم نہ کیا جائے۔

طبری کی دوسری روایت ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر کر کے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں لکھ کر میرے پاس بھیجدیں گے مجھے منظور ہیں چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنی شرطیں دوگنی کر کے بھیجدیں مگر امیر معاویہؓ نے قبول نہ کیں۔

طبری کی پہلی روایت کی تیسری شرط صریحاً کذب ہے چونکہ سیدنا علیؓ پر سبّ و شتم کی ملم سراسر جعلی ہے۔ اور دوسری روایت سر سے وضعی ہے۔

متاخرین کی بعض کتابوں میں یہ شرط بھی ملتی ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوں گے مگر اس شرط کے خالق وہی لوگ ہیں جنہوں نے آگے چل کر آپ کی وفات کے

متعلق زہر خورانی کا افسانہ تراشا قریب العہد مورخین کی کسی کتاب میں یہ شرط موجود نہیں یعنی طبری نے باوجود اپنے تشیع کے اسے بیان نہیں کیا۔ اور یعقوبی، مسعودی اور ابن اثیر نے بھی اس شرط کے متعلق کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔ یاران طریقت نے بہت بعد میں یہ داستان تراشی ہے۔ اگر اس شرط کا کوئی وجود ہوتا تو امیر یزید کے ولیعہدی کے چھ سات سالہ دور میں کہیں نہ کہیں سے یہ آواز ضرور پیدا ہوتی اور خصوصی طور پر سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ جن کے نہاں خانۂ دل میں حصول خلافت کا خیال موجود تھا ضرور کسی موقع پر اس شرط کا اظہار کرتے۔ اور سب سے اہم یہ کہ سیدنا حسینؓ اپنے خروج کے وقت ضرور اسے بیان کرتے۔

سیدنا حسنؓ نے مجمع عام میں زبانی بھی اس صلحنامہ کی تصدیق فرمائی۔ (اخبار الطوال ص۲۳/۲۲۲ استیعاب و اسد الغابہ) مگر اس مجمع میں سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت آپ نے بھی اس شرط کا اظہار نہ فرمایا۔ یوں حضور صادق و مصدوق خاتم المعصومینؑ کے اس ارشاد یعنی الخلافتہ بالمدینۃ والملک بالشام (یعنی خلافت نبوت مدینہ میں ہو گی اور خلافت ملوکیت شام میں) کی تعبیر پوری ہوئی۔

سیدنا معاویہؓ و حسنینؓ

جب سیدنا معاویہؓ باقاعدہ خلیفہ منتخب ہو گئے تو ملک میں امن و امان کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس سال کو "عام الجماعۃ" کا نام دیا۔ سیدنا معاویہؓ کا حضرات حسنینؓ کے ساتھ نہایت مشفقانہ برتاؤ رہا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ وقتاً فوقتاً انہیں گراں قدر عطیات سے نوازا جاتا رہا۔ دونوں بھائی بلاناغہ ہر سال سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں دمشق حاضر ہوتے رہے اور امیر المومنینؓ کے ذاتی مہمانوں کی حیثیت سے ہفتوں وہاں قیام فرماتے رہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔ جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہو گئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان دونوں بھائیوں کی بہت زیادہ عزت کرتے، مرحبا کہتے، عطیات سے شاد کام کرتے۔ ایک دفعہ ایک ہی

دن میں انہیں بیس لاکھ درہم عطا کیے (البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۰ کا ترجمہ)
یہی علامہ ابن کثیر زید بن الحباب کی روائیت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حسنؓ بن علیؓ معاویہؓ کے پاس آئے تو معاویہؓ نے فرمایا کہ میں تم کو ایسا گرانقدر عطیہ دوں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ چنانچہ چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک بار جب دونوں بھائی دمشق پہنچے تو ہر ایک کو بیس بیس لاکھ کے عطیہ سے شاد کام کیا (البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۷ کا ترجمہ)

نہج البلاغہ کا شارح ابن ابی الحدید لکھتا ہے۔ معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنھوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کیے اور ان کا فرزند (یزیدؒ) پہلا شخص ہے جس نے اس رقم کو دوگنا کیا۔ اور یہ عطیات علیؓ کے دونوں بیٹوں (حسنؓ وحسینؓ) کو ہر سال دس دس لاکھ عطا ہوتے اور اسی طرح عبداللہؓ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے (جلد ۱۱ صفحہ ۸۲۳)

یہ عطیات سالانہ وظائف کے علاوہ دیئے جاتے جو یا تو خمس اور فے میں سے ہوتے یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور یا خلیفہ اپنے ذاتی مال سے دیتے۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ امام حسنؑ ایک بار معاویہؓ کے پاس دمشق گئے اتفاقاً اس روز بہت مال و متاع کسی موضع سے اس کے پاس لائے۔ جب فہرست معاویہؓ کو دی۔ معاویہؓ نے امام حسنؑ کو دیدی (جلاء العیون ج اول صفحہ ۳۲۹)

آگے چل کر مجلسی لکھتا ہے کہ جب معاویہؓ مدینہ میں آکر مجلس عام میں بیٹھا اشراف مدینہ کو بلایا اور ہر شخص کو پانچ ہزار درہم سے سو ہزار درہم تک اس کی لیاقت کے مطابق دیئے امام حسنؑ بالکل آخر میں پہنچے معاویہؓ نے کہا آپ دیر کر کے اس وجہ سے آئے کہ مجھے کنجوس اور بخیل بتائیں یہ کہہ کر معاویہؓ نے خزانچی کو حکم دیا اب تک میں نے جس قدر تقسیم کیا ہے اس سب کے برابر حسنؑ کو دیا جائے (ایضاً)

سیدنا حسنؓ کی امویوں سے رشتہ داریاں

سیدنا علیؓ کے اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔ یعنی سیدنا حسنؓ کے سترہ بھائی اور اٹھارہ بہنیں تھیں ان میں سے سیدہ رملہؓ بنتِ علیؓ سیدنا معاویہؓ ابن مروانؒ کے نکاح میں تھی (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۳۸)

سیدنا حسنؓ کی دوسری بہن امیر المؤمنین عبد الملک بن مروانؒ کے نکاح میں تھی (البدایہ ج۹ ص۶۹) سیدنا حسنؓ کی تیسری بہن سیدہ خدیجہؓ امیر عامرؒ بن کریزؒ اموی کے فرزند عبد الرحمٰنؒ کے نکاح میں تھی۔ (جمہرہ ص۳۸)

آگے چلئے سیدنا حسنؓ کی پوتیوں کے متعلق سنئے:-

۱۔ نفیسہؒ بنت زید بن حسنؓ امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک سے بیاہی گئی تھی۔ افسوس کہ جن لوگوں کو اس نکاح کا اقرار کرنا قبول نہ ہو سکا انہوں نے تزوجت کے بجائے خرجت الی الولید یعنی ولید کی طرف بھاگ گئی لکھ کر اپنے خبثِ باطن کا ثبوت دینے میں شرم محسوس نہ کی۔ لیکن اس کے باوجود زید ولید کے پاس جاتے رہے ایک بار ولید نے زید کو تیس ہزار اشرفیاں عطا کیں (عمدۃ الطالب ص۶۴)

اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ زید اپنی خوشی سے اپنی بیٹی کا نکاح ولید سے کرتے ہیں۔ خود داماد کے پاس جاتے ہیں اور داماد کے عطایات سے لدکر واپس آتے ہیں مگر یہ لوگ خرجت الی الولید لکھ کر اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے ہیں مگر ایسے لوگوں سے کیا گلہ جنہوں نے سیدہ اُم کلثومؓ بنت علیؓ کے سیدنا عمرؓ کے ساتھ نکاح پر یہ پھبتی کسی تھی اول فرج غصب منا (یعنی یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے چھینی گئی) لاحول ولا قوۃ

معز الدولہ دیلمی جس نے بغداد میں شیعیت کو فروغ دیا اور تعزیہ و ماتم کی بنیاد رکھی۔ اس نے جب سیدہ اُم کلثومؓ کا نکاح سیدنا فاروق اعظمؓ سے سنا

توبہ اخنبار کیہ اُکتا ماسمعت ھذا قط (البدایہ ۲۶۲) اور پھر شیعیت سے تائب ہو گیا۔ ورجع الی سنۃ و متابعتھا (البدایہ ۲۶۲)

۲۔ زینبؒ بنت حسن مثنےٰ بن حسنؓ کی شادی بھی ولید بن عبدالملک سے ہوئی تھی یہ زینبؒ مرعومہ امام پنجم محمد باقر کی سالی عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھی حسن مثنےٰ سیدنا ذوالنورینؓ کے نواسے اور سیدنا حسینؓ ابن علیؓ کے داماد تھے کربلا میں بھرپور جوان تھے اور زندہ بچنے والوں میں سے تھے

۳۔ اُم قاسم بنت حسن مثنےٰ بن حسنؓ، مروان بن ابان بن عثمانؓ کے نکاح میں تھی۔ مروانؒ کے مرنے کے بعد علیؓ (زین العابدین) کے نکاح میں آئیں مروان سے محمد نامی ایک لڑکا تھا (جمہرۃ الانساب ابن حزم ۸۳ کتاب المجر ۴۳۹)

۴۔ سیدنا حسنؓ کی ایک پوتی معاویہؒ بن امیر المومنین امیر مروانؒ بن الحکم کے نکاح میں تھی (جمہرۃ الانساب ابن حزم ۸۰-۱۰۰)

۵۔ حمادہ بنت حسن مثنےٰ بن حسنؓ اسماعیل بن عبدالملک بن حارث بن حکم کے نکاح میں تھی۔ (ایضاً ۱۰۰)

۶۔ خدیجہ بنت حسینؓ بن حسنؓ حمادہ سے پہلے اسماعیل کے نکاح میں تھی[1] (جمہرہ ۱۰۰)

ازواج واولاد طبری کہتا ہے کہ ایک بار خلیفہ ابوجعفر منصور نے محمد مہدی الحسنی کے خروج کو فرد کرنے کے بعد مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ علیؓ خلیفہ ہوئے تو وہ خون میں لت پت ہو گئے یعنی انہیں کے شیعوں نے ان پر یورش کر کے انہیں قتل کر دیا۔ ان کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوئے مگر وہ اس میدان کے مرد ہی نہ تھے۔ انہیں روپیہ پیش کیا گیا تو وہ خلافت سے دستبردار ہو کر عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف

---

[1]: یہاں صرف سیدنا حسنؓ کی ان بہنوں اور پوتیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مختلف اموی شہزادوں کے نکاح میں تھیں۔ مزید تفصیل کے لئے راقم کی تالیف حقیقت مذہب شیعہ دیکھئے جہاں دیگر شادی شہزادیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہو گئے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے ان الفاظ میں جو سوقیانہ پن ہے وہ نظیف طبائع کے لئے نہایت ناگوار ہے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے یہی کلمات مدائنی کے ان کلمات کی عکاسی کرتے ہیں کہ۔ سیدنا حسنؓ نے نوّے نکاح کئے ابن سیرین نے ایک دفعہ بیان کیا کہ آپ نے ایک خاتون سے نکاح کیا تو سو کنیزوں کے ذریعے اُسے روپیہ بھیجا اور ہر کنیز ایک ایک ہزار درہم لے کر گئی۔

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)

ملّا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں خوب بے پر کی اڑائی ہیں۔ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ آپ نے ۲۵۰ عورتوں سے نکاح کیے۔ خود ہی دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ آپ نے ۲۰۰ عورتوں سے نکاح کئے اور یہ نکاح سیدنا علیؓ کی زندگی میں ہوئے۔ بعد کے زمانہ کے متعلق معلوم نہیں۔ چنانچہ ایک بار سیدنا علیؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا حسنؓ بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہماری لڑکیوں کا ایک رات ان کے ہاں رہنا ہمارے لئے موجب شرف ہے (تاریخ الخلفاء مطبوعہ تہران صفحہ ۳۰ سطر ۱۲ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ)

ملّا صاحب کا کہنا ہے حضرت حسنؓ نے جتنی عورتوں کو طلاقیں دی تھیں وہ سب ننگے سر آپ کے جنازہ پر روتی پیٹتی حاضر ہوئیں (شاید انہوں نے اسی انتظار میں نکاح ثانی نہ کئے تھے کہ حسنؓ مرے اور ہم اس کے جنازہ پر پیٹیں مؤلف)

ابن ابی الحدید نے ستر نکاح بیان کئے ہیں پر وقیدی حتی سو لکھتا ہے۔

ملّا باقر مجلسی کہتا ہے۔ ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے دو سو پچاس عورتوں سے نکاح کیا اور بروایت دیگر تین سو عورتوں سے یہاں تک کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا فرزند مطلاق ہے الخ

(جلاء العیون جلد اول صفحہ ۳۴۳)

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ آپ نے متعدد نکاح کئے مگر اس قسم کی تمام روایات محض افسانوی حیثیت رکھتی ہیں اور عقل سلیم اسے قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ سیدنا حسنؓ جیسا عقیل و فہیم، مفکر و مدبر، عبادت و سخاوت کا پیکر

اس قسم کی عیاشیوں کا ارتکاب کرتا۔

اولاد میں آٹھ لڑکوں کے نام ملتے ہیں۔

حسن۔ زید۔ عمر۔ قاسم۔ ابوبکر۔ عبدالرحمٰن۔ طلحہ۔ عبیداللہ۔

توجہ طلب یہاں ایک بات توجہ طلب ہے۔ آج جو لوگ ابوبکرؓ، عمرؓ عثمانؓ اور طلحہؓ کے ناموں سے بدکتے ہیں بلکہ ان کو جبت و طاغوت، فحشا و منکر اور کیا کیا کہتے ہیں اگر ان کے مزعومہ آئمہ کے نزدیک بھی وہ ایسے گنہ گار تھے تو انہوں نے اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ کے دلوں میں اصحاب ثلاثہؓ، عشرہ مبشرہ بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق بے پناہ محبت و خلوص اور احترام و عقیدت کے جذبات تھے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان کے تصور میں بھی کبھی اس قسم کا خیال تک نہ آیا ہوگا کہ آئندہ آنے والی نسلیں ہمارا نام لے کر خدا کے ان پاکباز بندوں کی شان میں اس طرح گستاخیاں کریں گی صرف واقعہ کربلا پر غور کیجیے اس میں ۲۶ طالبی موجود تھے جن میں سے سات کے نام اصحاب ثلاثہ اور سیدنا طلحہؓ کے ناموں پر تھے۔

۱۔ ابوبکر بن علی۔ ریاض الشہادتین میں ان کا ذکر ہے قاتل عبداللہ بن عقبہ تھا۔

۲۔ ابوبکر بن حسن۔ تمقام میں ان کا ذکر ہے۔

۳۔ عمر بن حسن۔ کربلا میں زندہ بچ گئے ۲۰ سال کے نوجوان تھے (تصویر کربلا سید آل محمد ص ۸۹)

۴۔ عمر بن علی۔ قاتل کا نام یزید الطبی بیان کیا جاتا ہے۔

۵۔ عمر بن حسین۔ عرصہ تک زندہ رہے۔

۶۔ عثمان بن علی۔ تمقام میں ان کا ذکر ہے۔ قاتل کا نام خولی بن یزید بیان کیا جاتا ہے۔

۷۔ طلحہ بن حسن۔ عمر پندرہ سال زندہ بچ گئے۔ گویا ۲۶ طالبیوں میں سے دو ابوبکر تین عمر، ایک عثمان اور ایک طلحہ نام کے تھے

اور لطف یہ کہ ابوبکر بن علی کا قاتل عبداللہ، عمر بن علی کا قاتل یزید الطحی اور عثمان بن علی کا قاتل خومی، تینوں اس وفد میں شامل تھے۔ جو سیدنا حسینؓ کو مکہ سے گھیر کر کربلا لایا تھا۔

وفات سیدنا حسنؓ، سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کے بعد ۹ سال زندہ رہے آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح سن وفات ۴۹ھ ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر آپ کی وفات کی تعزیت کے ضمن میں سیدنا امیر یزیدؒ نے کہا تھا۔ نیز قسطنطنیہ کے جہاد میں سیدنا حسینؓ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ جہاد ۴۹ھ میں ہوا۔ اگر سیدنا حسنؓ اس وقت زندہ ہوتے تو ضرور اپنے بھائی حسینؓ کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہوتے۔ آپ فتح افریقہ اور فتح ایران و ترکستان میں موجود تھے۔ حالانکہ ان فتوحات کے متعلق حضور خاتم المعصومینؐ کی زبان اقدس سے اس قسم کے کوئی کلمات موجود نہیں جیسا کہ جہاد قسطنطنیہ کے متعلق "مغفور لہم" کا ارشاد موجود ہے۔

آج یہ افسانہ زبان زد خواص و عوام ہے کہ سیدنا حسنؓ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ اور بعض شیعی روایتوں میں اس قسم کی خواس باختگیاں بھی موجود ہیں۔

وقال ابن سعد سمعہ معاویۃ مراراً الانہ کان یقدم الیہ الشام ھو واخوہُ الحسین (ایقاظ النائمین ص۱۲ بحوالہ تذکرۃ الخواص الائمہ)

"یعنی یہ کوئی ذات شریف ابن سعد فرماتے ہیں کہ حسنؓ کو معاویہؓ نے کئی بار زہر دیا۔ اور حضرت حسنؓ معہ اپنے بھائی حسینؓ کے شام جاتے رہتے تھے۔"

کیا بے تکی بانگی ہے۔ ہر سال دونوں بھائی ہزاروں میل کا سفر طے کر کے گویا معاویہؓ کے پاس زہر نوش فرمانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور یہ چسکہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ شام جانے سے نہ رکتے تھے۔ اور آخر دو زود تیز ہو گیا۔ مگر وہ تیز دوز بھی شام سے مدینہ تک کے سفر میں انہیں ہلاک نہ کر سکا

جب مدینہ پہنچے تو اس نے اپنا اثر دکھایا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین ۔

۔مگر تاہم گرتے پڑتے مدینہ پہنچ گئے اور یہاں پہنچکر

جان بحق ہو گئے۔

خمسہ اقبالیہ ایک اور شیعی تالیف ہے اس میں مرقوم ہے۔ بعض کا بیان ہے امام حسنؓ کو مسموم شربت پلایا گیا۔ اور بعض بتاتے ہیں کہ کسی قسم کی بیماری سے آپ کی وفات ہوئی۔ چالیس روز تک آپ بیمار رہے مگر یہ روایت صحیح نہیں چنانچہ امام حسنؓ خود اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے ایت السم مرتین وھذ الثلاث مجھے دو بار زہر دیا گیا اور یہ تیسری بار ہے (ص۱۵۹) بعض روایتوں میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہؓ کو ان الفاظ میں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انہوں نے جعدہ کے ذریعہ زہر دلوایا تھا حالانکہ یہ تمام داستان سرے سے ہی واہی ہے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ تاریخ اسلام حصہ اول عہد رسالت و خلافت راشدہ مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی نے اگرچہ سیدہ جعدہ کو بے گناہ قرار دیکر گویا ایک بڑی حقیقت کا انکشاف کیا ہے مگر زہر خورانی کے وہ بھی قائل ہیں (ص۳۸۸) معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی وضعی روایتیں ان لوگوں کے ذہنوں پر کابوس بنکر سوار ہو چکی ہیں حالانکہ اس قسم کی تمام روایات از قسم خرافات ہیں

اب ہم اس مقام پر سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس زہر خورانی کی داستان کا خالق کون ہے؟

ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ صاحب المحبر متوفی ۲۴۵ھ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ جس نے تقیہ کی آڑ میں ہزاروں وضعی روایات سے اپنی تاریخ کو متعفن کیا ہے میں سے کسی ایک نے اپنی کسی تالیف میں زہر خورانی کا اشارہ تک نہیں کیا۔ ان سے پہلی تالیفات کا ذکر ہی کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوتھی صدی ہجری کے ربع اول تک کوئی بھی زہر خورانی کی داستان سے واقف نہ تھا۔

سب سے پہلے زہر خورانی کا الہام مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کو ہوا مگر اس الہام کے بال و پر تلاش کرنے کے لئے اسے بڑے ہاتھ پاؤں مارنے پڑے اور جب ہر طرف سے مایوس ہوا

تو اُسے لکھنا پڑا:۔ کہا جاتا ہے کہ جعدہ نے معاویہؓ کے ایماء سے حضرت حسنؓ کو زہر دیا تھا۔ اس "کہا جاتا ہے" کے گوزشتر نے آگے چل کر وہ تعفن پھیلایا کہ بزعم خویش محقق اور مورخ اس کے تعفن سے حواس باختہ ہو کر واہی تباہی ہانکتا چلا گیا۔ اور نیم دروں نیم بروں قسم کے مؤلفین ان خرافات کو اپنی تالیفات میں لکھتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خداوندانِ دار المصنفین ندوہ تک اس پر ایمان لے آئے۔

زہر خورانی کے پس منظر کی تحقیق

زہر خورانی کے سرچشمہ کے اس کھوج کے بعد اس ہرزہ سرائی کی تخلیقی ضروریات اور ان کے پس منظر کی طرف توجہ ضروری ہے۔

سیدہ جعدہ بنتِ اشعث قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ سیدنا اشعثؓ قبیلہ کندہ کے قائد تھے اور صحابی تھے اور سیدنا ابوبکرؓ کے بہنوئی تھے۔ جنگ صفین میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے سیدنا علیؓ کے کیمپ میں تھے اور ثالثی کی تجویز کے مؤید تھے۔ مالک الاشتر مجوسی جو سیدنا علیؓ کے لشکر کا کمانڈر انچیف تھا جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اُسے اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر صلح ہو گئی تو ہماری خیر نہیں۔ مگر حضرت اشعثؓ کی کوششیں کامیاب ہو گئیں۔ سیدنا اشعثؓ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی اور قبیلہ کی قیادت محمد بن اشعثؓ کو حاصل ہوئی۔ محمد، سیدنا صدیق اکبرؓ کے سگے بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص ۲۴۴)

انہی محمد بن اشعثؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلم بن عقیلؒ کو امان کا وعدہ دے کر گرفتار کرایا تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور سیدنا اشعثؓ کے خاندان کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ انہی محمد بن اشعثؓ کے فرزند عبدالرحمٰنؒ نے خلیفہ عبدالملکؒ کے مشہور گورنر حجاج بن یوسفؒ کو کئی شکستیں دیں آخر دیر جاجم کے معرکہ میں شکست کھا کر کابل کی طرف نکل گئے۔

مشہور مستشرق دے خویے قبیلہ کندہ کو شاہی خاندان لکھتا ہے۔

اس نے جلیل القدر باپ کی بیٹی اشعث عظیم سپہ سالار کی بہن اس قدر بڑے سے

خواندان کی نورِ نظر کے متعلق اس قدر سوقیانہ اتہام تراشی کو عقل باور نہیں کر سکتی کہ اس نے سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے خلیفہ کے چکمے میں آکر اپنے خاوند کو زہر دیا ہو جو انتہائی شفیق، نیک سیرت، پاک طینت صلح کل مرنجان مرنج اور سلیم القلب شخصیت کا حامل تھا پھر اس بات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا حسنؓ آٹھ نو سال بلاناغہ اپنے بھائی کے ساتھ سیدنا امیر معاویہؓ کے پاس دمشق جاتے رہے وہاں سیدنا معاویہؓ کا ہاتھ کس نے روک رکھا تھا کہ وہ چوروں کی طرح انہیں زہر دلاتے اور یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ سیدنا حسنؓ سے سیدنا معاویہؓ کو کیا خطرہ لاحق تھا۔ اگر بفرضِ محال وہ زہر دلاتے بھی تو سیدنا حسینؓ کو دلاتے جن کے متعلق کہیں کہیں سے یہ آوازیں آج بھی سنائی دے رہی ہیں کہ معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ سیدنا معاویہؓ کے بعد خلافت کا حق سیدنا حسینؓ کا ہوگا۔ سیدنا حسینؓ سے تو یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ اس مفروضہ شرط کی زد امیر یزیدؒ کی ولیعہدی پر پڑتی تھی۔ اور جو شروع سے ہی سیدنا حسنؓ کی دستبرداری کے مخالف تھے۔

تاریخ الخمیس میں ہے کہ آپ چالیس دن بیمار رہ کر فوت ہوئے (جلد ۲ ص ۳۲۶) دمیری نے مدت علالت دو ماہ بیان کی ہے وہ لکھتا ہے کہ ذیابیطس کا عارضہ تھا آپ نے شہد کا شربت پیا اس سے تکلیف بڑھ گئی اور آپ کی موت واقع ہوگئی حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کو اپنی ماں کا دودھ پینے کا موقعہ نہ ملا تھا آپ کی پرورش دوسرے دودھ پر ہوئی تھی۔ اس لئے صحت کے لحاظ سے آپ کمزور تھے اور کما حقہ نشوونما نہ پا سکے تھے اور اس پر کثرت سے حرم کی زندگی کے دلدادہ تھے جس کی وجہ سے آپ کو بعض روایات کے مطابق آخری ایام میں سل کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔

زہر خورانی کے گوشتہ پر علامہ تمنا عمادی اپنی تحقیقی تالیف القصیدۃ الزہرا میں لکھتے ہیں جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو سبائیوں نے چاہا کہ حسنؓ کو قتل کر دیں اور سیدنا حسینؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے شام پر حملہ

کردیں ۔ انہوں نے اسی غرض سے سیدنا حسنؓ پر حملہ کیا مگر ناکام رہے ۔ حضرت حسنؓ سے یہ بدنہاد گروہ نہایت ناراض تھا۔ سیدنا حسنؓ ان کے ہاتھ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے ۔ اب انہوں نے عجمی غلاموں میں سے چند ہشیار غلاموں کو مدینہ بھیجا جنھوں نے مدینہ پہنچکر سیدنا حسنؓ کے ایک غلام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ چپکے سے زہر دیدے اور ایسا زہر بہم پہنچایا جس سے فوری موت واقع نہ ہوتی تھی بلکہ مہلک بیماری پیدا ہو کر موت واقع ہوتی تھی ۔ زہر کا خیال خود سیدنا حسنؓ نے حسبِ روایات ظاہر فرمایا۔ ورنہ اور لوگوں کا اس طرف خیال نہیں گیا تھا۔ حضرت معاویہؓ یا یزیدؒ پر تہمت حد درجے کی خباثتِ نفس ہے اگر انہوں نے زہر دلوانا ہوتا تو سیدنا حسینؓ کو دلواتے ، یا عبداللہؓ بن زبیرؓ کو دلواتے جن کے متعلق انہیں وقتاً فوقتاً اطلاعیں ملتی رہتی تھیں کہ وہ کسی وقت بھی خروج کریں گے کوفی بے دین ، ملحد ، ناخداترس ، کذاب مورخین نے اپنی خباثتِ نفس سے ان خلفائے رسولؐ پر بہتان باندھا ہے ۔ حضرت معاویہؓ و یزیدؒ دیکھ رہے تھے کہ فتنے مختلف دروازوں سے جھانک رہے ہیں ۔ صرف حضرت حسنؓ ہی کی وجہ سے کسی طرف سے فتنے اٹھنے کا امکان نہیں ہے ۔ اگر حسنؓ اٹھ گئے تو فتنے ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے حضرت حسنؓ کی وفات کا دراصل سب سے زیادہ صدمہ کسی کو ہوا تو حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کو ہی ہوا ۔ جن فتنہ پردازوں کی راہ حضرت حسنؓ کی وجہ سے بند تھی ان کے مرنے کے بعد فتنہ پردازوں کی راہ کھل گئی ہے اگر اس تہمت تراشی کے بغیر چارہ کار نہ تھا تو عبداللہؓ بن زبیرؓ کو الزام دیتے (تلخیص القصیدۃ الزہرا ملخصاً)

امیر یزیدؒ نے سیدنا حسنؓ کی موت پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے ہاں جن لفظوں میں عیادت کی تھی بقول ابن کثیر وہ نہایت فصیح و مختصر تھے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

عزاہ لیبادۃ فصیحۃ وجیزۃ شکرۃ علیھا ابن عباس (البدایہ جلد ۸ ص ۲۲۰)

۴۹ ہجری میں حضرت ابن عباسؓ امیر معاویہؓ کے پاس دمشق میں مقیم تھے ۔ امیر معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ کی وفات کی خبر سنکر حضرت ابن عباس سے تعزیت کی ۔ پھر امیر یزیدؒ نے ان الفاظ میں تعزیت کی ۔

رحم اللّٰہ ابا محمد اوسع لہ الرحمۃ وافسحہا واعظم اللّٰہ اجرک
واحسن عزاءک وعوضک من مصابک ما ھو خیر لک ثوابا وخیر و ابقی

(البدایہ جلد ۸ ص ۳۱۱)

حضرت ابن عباس نے یہ کلمات سُنکر امیر یزیدؒ کا شکریہ ادا کیا۔ اور امیر یزیدؒ کی لیاقت پر استعجاب کا اظہار کیا۔ سیدنا حسنؓ کی وفات پر امیر یزیدؒ کے ان کلمات سے دلی رنج اور صدمے کا اظہار ہوتا ہے اگر سیدنا معاویہؓ یا امیر یزیدؒ نے سیدنا حسنؓ کو زہر دلوایا تھا تو وہ کونسی مجبوری تھی جو سیدنا ابن عباسؓ کے سامنے امیر یزیدؒ کے منہ سے ایسے کلمات کہلوا رہی تھی۔

سیدنا حسنؓ کی تدفین

گوئبلز کہا کرتا تھا کہ جھوٹ بولو۔ بار بار بولو۔ الفاظ بدل بدل کر بولو۔ اور آخر ایسا وقت آکر رہے گا کہ وہ جھوٹ ایک حقیقت کے تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر وہ بطور سچ کے تسلیم نہ کیا گیا تب بھی لوگوں کے دلوں میں شک ضرور پیدا ہو جائے گا۔

اُمہات المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف یہی ٹیکنیک چودہ سو سال سے دوہرائی جارہی ہے اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے خاصے مدعیانِ اسلام کا ایک کثیر گروہ دشمنانِ اسلام کے اس لغو، بے ہودہ اور خرافاتی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اپنی تالیفات کو اُسی خرافاتی دیو مالائی داستانوں سے ملوّث کئے جارہا ہے اور بزعم خویش اس بات کا مدعی ہے کہ ہم مورخ ہیں، محقق ہیں، شیخ الحدیث ہیں، شیخ القرآن ہیں غرضیکہ کیا کچھ ہیں۔ اسی قسم کے خرافات سے تیار شدہ داستان سیدنا حسنؓ کی تدفین کے متعلق بھی دوہرائی جارہی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ظلم یہ کہ ندوۃ المصنفین، اعظم گڑھ جیسے مقام سے جو کچھ اس قسم کی خرافاتی داستانوں کی صورت میں پیش کیا گیا۔ وہ صریحاً سبائیت کی ترجمانی بلکہ حق وکالت کے فرائض کی ادائیگی کی صورت میں سم قاتل بن کر پورے اسلامی ملت کو مسموم کرنے کا موجب بن رہا ہے[1]۔ کاشکہ ان اصحاب کی نظروں سے

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول مولفہ شاہ معین الدین احمد کا ص ۳۵۸/۳۸۹ دیکھئے جس کا دیباچہ سید سلیمانؒ ندوی نے لکھا ہے۔

نزالاعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ کی یہ روایت گذری ہوتی۔

"صدیقہ کائنات نے حضور صادق و مصدوق خاتم المعصومین سے آنحضرت کی زندگی میں حضور کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگی۔ مگر آنحضرت نے فرمایا۔

انی لی بذلک من موضع ما فیہ الا موضع قبری وقبر ابی بکر وعمر وعیسیٰ بن مریم۔

"میرے پاس کسی اور کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں۔ یہاں تو صرف میرے مزار اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی قبروں کی جگہ کے سوا اور کسی کی قبر کی جگہ ہی نہیں۔"

اس روایت سے سیدنا حسنؓ کی تدفین کے متعلق وضعی روایات کے علاوہ یہ بھی پایہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ حضرات شیخینؓ کی تدفین حجرہ سیدہ صدیقہ کائنات کی بحکم الٰہی ہوئی اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا حسنؓ کی وفات سے قریباً چالیس سال پہلے سیدہ فاطمہؓ کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت سیدنا علیؓ و سیدنا عباسؓ کے علاوہ ہزاروں صحابیؓ زندہ موجود تھے مگر حضرت سیدہ کو روضہ نبیؐ میں دفن کرنے کی کسی طرف سے آواز پیدا نہ ہوئی۔ حالانکہ جن وضعی روایات کے مختلقین نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ سیدنا حسنؓ کو امویوں نے روضہ رسولؐ میں دفن نہ ہونے دیا۔۔۔ سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے وقت ان امویوں کو کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہ تھا۔

سب سے اہم ترین بات یہ کہ جس حجرہ کو حضرت صادق و مصدوقؐ کے مزار اور حضرات شیخینؓ کی قبور کی وجہ سے رشک فردوس بریں اور ہم پلہ عرش بریں ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا حجرہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کو الگ الگ حجرات مرحمت فرمائے تھے۔ اور گویا امہات المومنینؓ میں سے حجرہ مقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس زوجہ مطہرہؓ کو مرحمت ہوا تھا وہ انکی ملکیت تھا۔

سیّدہ صدیقہ کائناتؓ میں حضرات شیخینؓ کی تدفین حضرت صدیقہؓ کی اجازت سے
آئی تھی۔ اگر ذرہ توجہ اور غور سے دیکھا جائے تو سیدہ صدیقہؓ کائنات نے حضرات شیخینؓ
کے لئے اپنے حجرہ میں دفن کرنے کی اگر اجازت دی تھی تو آپ کے سامنے حضرت صادق
و مصدوق کا وہ ارشاد تھا جو بحوالہ کنز الاعمال بیان کیا گیا ہے اگر آنحضرتؐ کا یہ ارشاد
کے پیش نظر نہ ہوتا تو آپ اپنے حجرہ میں دفن ہونے کی اپنے متعلق وصیت فرماتیں
الحمد سے لے کر والناس تک اور مؤطا امام مالک سے لے کر ابن ماجہ تک کوئی
کوئی ایک نظیر اس قسم کی سامنے لاکر دکھایئے کہ سوتیلی نانی کی ملکیت جائداد یا
کے متعلق کسی سوتیلے نواسے کو تصرف کا حق یا اس کے متعلق وصیت کرنے کا
حاصل ہوا ہو۔ شاید ندوہ والوں کو کہیں نظر آیا ہو تو الگ بات ہے مگر عالم اسلام
میں اور کسی کو نظر نہیں آسکا۔ تو سیدنا حسنؓ کی ذات کی طرف اس قسم کے
منسوب کرنا کہ مرنے کے بعد مجھے روضۂ رسولؐ میں دفن کرنا ـــــ حضرت
حسنؓ کی ذاتِ اقدس پر بہتان ہے۔ بلکہ اس قسم کی وضعی روایات کے خالق
کی آڑ میں سیدنا حسنؓ کے ذم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ کہ وہ دینی امور سے
بے خبر تھے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ ملا باقر مجلسی کے اس فیصلہ کن قول کے بعد اس قسم کی
خرافات کہ "مروانؓ اور عائشہؓ نے حسنؓ کو روضۂ نبویؐ میں دفن نہ ہونے دیا" کو
نظر انداز ہی نہ کیا جاتا بلکہ ایسے افترا پرداز کو علی الاعلان کذّاب، ملعون
قرار دیا جاتا۔ مگر آج تک اسی کذّاب کے کذب کو نص سمجھ کر ہر لکھنے والا
چلا جا رہا ہے۔

ملّا باقر مجلسی لکھتا ہے :۔ کلینی نے بسند معتبر امام محمد باقرؒ سے روایت
کی ہے کہ جب وقت احتضار امام حسنؓ ہوا امام حسینؓ کو بلایا
اور کہا اے برادر گرامی! میں تم کو چند وصیتیں کرتا ہوں
تم میری وصیتوں کی حفاظت کرنا۔ جب میں دنیا سے

رحلت کروں مجھے غسل دینا اور میرے نانا رسولؐ کے پاس لے
جانا کہ ان کی زیارت کروں اور اپنا عہد ان سے تازہ کروں ۔
اور اس کے بعد مجھ کو میری مادر فاطمہؑ کے پاس لے جانا
بعد ازاں مجھے قبرستان بقیع میں لے جا کر دفن کرنا۔
(اردو ترجمہ جلاء العیون جلد اول صفحہ ۳۰۷ سطر ۸ تا ۱۰)

فیصل مشہور شیعہ مترجم قرآن مقبول احمد سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵۵ کے کلمات مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ کے تحت حاشیہ میں لکھتا ہے :۔

کافی میں ہے کہ جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ جاتا ہے تو خدائے تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیج دیتا ہے کہ وہ اس مٹی میں سے جس میں یہ شخص دفن ہونے والا ہے تھوڑی سی مٹی لے آئے ۔ چنانچہ وہ فرشتہ لاکر مٹی میں ملا دیتا ہے اور اُس شخص کا دل ہمیشہ اسی مٹی کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے جب تک کہ اُس میں دفن نہ ہو جائے ۔

اس مقام پر اُس خرافاتی مخلوق کی ذہنیتوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے ایک طرف تو اس بات کے مدعی ہیں کہ آئمہ رب اللوح والقلم تھے ۔ آئمہ ما کان و ما یکون کے علوم کے حامل تھے ۔ پھر ان کے ایسے مفروضہ امام کے متعلق کیا کہا جاتا ہے جو سب کچھ جاننے کے باوجود کہ میرا خمیر کس مقام کی مٹی کا ہے پھر بھی مرتے وقت یہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے سوتیلی نانی کے مملوکہ حجرہ میں دفن کرنا ۔ جس سوتیلی نانی کی وراثت کا وہ نانی کے مرنے کے بعد بھی حصہ دار نہیں ٹھہرتا ۔ چہ جائیکہ نانی ابھی زندہ موجود ہو۔

حقیقت یہ ہے محسنِ اسلام سیدنا حسنؓ نے وفات کے وقت اس قسم کی کوئی وصیت نہیں فرمائی کہ مجھے حجرہ سیدہ کائناتؓ میں دفن کرنا اور بقول ملا باقر مجلسی جنت البقیع میں دفن کرنے کی وصیت کا تکلف کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی ۔ چونکہ

یہ ایک معلوم حقیقت تھی کہ تمام صحابہ کرامؓ جنت البقیع میں دفن ہوتے تھے۔ ہاں
آپ ایسی کوئی وصیت فرماتے تو وہ یہ ہوتی کہ مجھے اپنی والدہ سیدہ فاطمہؓ کی قبر
پاس دفن کرنا مگر آپ نے اس قسم کی وصیت شاید اس لئے نہ کی سیدہ فاطمہؓ
کے متعلق کسی کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری پارہ ۱۷ الکتاب المغازی باب جنگ خیبر میں سیدہ نساء
کائنات حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو ان کے
علیؓ نے بوقت شب (ان کو) دفن کر دیا اور کسی کو خبر نہ کی اور خود ہی ان کے جنازہ
کی نماز پڑھائی۔

لہ: سیدہ فاطمہؓ کی وفات ایک معمہ ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں۔ اسی رات کو جناب امیرؓ نے
فاطمہؓ کو دفن کر دیا اور جناب امیرؓ نے گرد قبر جناب فاطمہؓ سات قبریں اور بنائیں اس لئے کہ کوئی
جانے کہ قبر جناب فاطمہؓ کونسی ہے اور بروایت دیگر چالیس قبروں پر پانی چھڑکا اس لئے کہ قبر
فاطمہؓ مشتبہ ہو جائے اور بروایت دیگر قبر جناب فاطمہؓ کو زمین کے ہموار کر دیا کہ علامت قبر
نہ ہو اور یہ اس لئے تھا کہ منافقین و اشقیائے امت قبر آنحضرتؐ کو نہ جان سکیں (اردو جلاء العیون)
ملا باقر کی یہ تک کہ "منافقین واشقیائے امت قبر آنحضرتؐ کو نہ جان سکیں" اپنے اندر کتنی
سموئے ہوئے ہے حالانکہ سیدہ فاطمہؓ کی وجہ سے بموجب روایت امام بخاریؒ حضرت علیؓ کی
آبرو تھی۔ سیدہ فاطمہؓ کو راتوں رات دفن کرنے کے متعلق خلیفہ منصور عباسی نے محمد الارقط
خط کے جواب میں ذکر کیا گیا ہے خط و کتابت تمام مورخین نے تلمیذ کی ہے جو تمام کی تمام
تعلیوں اور نسلی تفاخر کا پلندہ ہے منصور عباسی کے خط کے بعض فقرات میں کہیں کہیں
سا اختلاف ہے چنانچہ منصور عباسی لکھتا ہے علیؓ نے خلافت کے لئے ہر پہلو اور ہر طرح کو
کی اور فاطمہؓ کو بھی اس کے لئے باہر نکالا پھر جب وہ بیمار پڑیں تو ان کی بیماری کی اطلاع
کی اور خفیہ طور سے رات کو دفن کر دیا۔

تاریخ ابن خلدون کے حصہ سوم کے حاشیہ صـ۶۵ پر بحوالہ تاریخ کامل ابن اثیر یہ الفاظ
"پھر در پردہ فاطمہؓ کو بیمار کیا اور رات کے وقت ان کو دفن کر دیا" (سیرت علیؓ مرتبہ محمد یوسف صـ۱۰۱)

فضائل و مناقب

فضل و کمال نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان (۱) ہو چکا ہے ۳-۴ سال تھی - آپ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں نبی علیہ السلام کے محبوب نواسے تھے - جس طرف آپ کا گذر ہوتا ہو گا صحابہ کرامؓ آپ کے راستے میں آنکھیں بچھا دیتے ہوں گے - گھر پر سیدنا علیؓ جیسا مجمع العلم باپ، مسجد نبویؐ میں اکابر صحابہؓ کی تربیت، راستوں اور شاہراہوں میں محبت و خلوص کے مظاہرے - ان سب نے مل کر آپ کی تعلیم و تربیت پر کافی گہرے نقش ثبت کئے تھے - سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا علیؓ کے گھریلو مناقشات نے بچپن میں ہی آپ کے ذہن میں اچھائی، برائی کے سوچنے سمجھنے کا مادہ پیدا کر دیا تھا - خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا البتہ طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات میں متانت، سنجیدگی اور پند و مواعظت کے جواہر ریزے بکثرت ہوتے تھے - شاعری سے بھی ذوق تھا - چنانچہ کتاب العمدہ میں ابن رشید نے آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے -

فضائل اخلاق: آپ کی تمام زندگی نبی علیہ السلام کے حسن اخلاق کی مجسم تصویر کی صورت میں گذری -

استغناء:- آپ کے استغنا کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ نے خلافت جیسے جلیل القدر منصب کو جس کے لئے سیدنا علیؓ جیسے عظیم انسان نے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے سے دریغ نہ کی، بیک جنبش پا ٹھکرا دیا -

حلم:- صبر و تحمل اور حلم و بردباری میں آپ کے مثیل تاریخی دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں - آپ کی زبان کبھی کسی تلخ یا درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی - اگر کسی وقت کسی ناگوار امر سے غصہ ناگزیر ہو جاتا تو صرف اس قدر زبان سے نکلتا "رغف انفہ" یعنی اس کی ناک خاک آلودہ ہو (الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۹)

خلافت سے دستبرداری کے بعد سیدنا علیؓ کے تربیت یافتہ مادر پدر آزاد، بدفطرت بدنہاد، بدکردار مجمیوں نے آپ کو رُو در رُو مذل المؤمنین کہا، ننگ مسلمین کہا، آپ کو زخمی کیا۔ آپ کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی آپ کو کھینچکر گھوڑے سے اُتار لیا۔ آپ کو گرفتار کرکے سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجنے کی ترکیبیں سوچیں مگر حلم و وقار کے اس کوہ پیکر محسنِ اسلام کی زبان سے اگر کسی وقت کوئی لفظ نکلا تو صرف اس قدر کہ میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا، البتہ حکومت کے لئے ان کی خونریزی پسند نہیں کی۔

عبادت: ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت تمام عمر آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ ابن عساکر کی روایت ہے کہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک آپ مصلّے پر رہتے پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ اور مشتاقانِ زیارت کو باریابی کی اجازت مرحمت فرماتے چاشت کی نماز ادا فرماکر امہات المطہرات کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔ اور پھر گھر سے ہو کر مسجد میں تشریف لے جاتے (جلد ۴ صفحہ ۲۰۹) سواری کی موجودگی میں سفرِ حج پیدل کرتے اکثر فرماتے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ تعالے کے حضور میں حاضری کے لئے سوار ہو کر جاؤں (تہذیب الاسماء جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

فیاضی و سیر چشمی: ۔ ایثار و فیاضی آل ہاشم کا ایک خصوصی وصف تھا۔ اور یہ وصف اللہ تعالےٰ کی طرف آپ کو وافر مقدار میں ودیعت ہوا تھا۔

اپنی دولت دریا دلی سے اللہ کی راہ میں صرف کرتے تھے۔ زندگی میں کبھی کوئی سائل آپ کے دروازہ سے محروم نہ گیا۔ عمر میں تین بار اپنے مال کا آدھا آدھا اللہ کی راہ میں تقسیم کیا (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۳) ابن عساکر کا کہنا ہے کہ ایک بار سیدنا علیؓ کا ایک دشمن زادِ راہ اور سواری کا محتاج ہو کر اہلِ مدینہ کے سامنے سائل بن کر پہنچا۔ کسی نے کہا حسنؓ کے پاس جاؤ۔ سائل یہ بات جاننے کے باوجود کہ حسنؓ اسی علیؓ کا بیٹا ہے جس کی مخالفت میں، میں جو کچھ کرتا رہا ہوں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مگر وہ سیدنا حسنؓ کے کردار سے بخوبی واقف تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا۔ کسی نے پوچھا آپ نے اپنے والد کے دشمن سے یہ سلوک کیا؟ فرمایا کیا میں اپنی آبرو نہ بچاؤں (جلد ۴ صفحہ ۲۱۴)

یہاں تک کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری کے لئے ایک بار اعتکاف کے مقام سے اُٹھ کر ایک حاجتمند کی حاجت برآری کے لئے باہر آ گئے اور فرمایا میرے نزدیک کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا ایک مہینے کے اعتکاف سے بہتر ہے (ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

اصلاح عقائد سیدنا ذوالنورینؓ کے قاتلوں نے جب سیدنا علیؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور اجل صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تو سیدنا علیؓ کی شخصیت کو اونچا کر کے دکھانے کے لئے قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ نے سیدنا علیؓ کے متعلق روایات گھڑنا شروع کیں۔ سیدنا حسنؓ کے زمانہ تک ان وضعی روایات کا ایک انبار تیار ہو چکا تھا۔ اسی ذخیرہ خرافات کا ایک حصہ کہ علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیام قیامت سے پہلے ظاہر ہو جائیں گے۔ کے متعلق جب سیدنا حسنؓ کو علم ہوا تو فرمایا یہ لوگ کذاب ہیں۔ اگر ہم کو اس بات کا علم ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم ان کی میراث تقسیم ہونے دیتے نہ ان کی بیوگان کا عقد ثانی ہونے دیتے۔ (طبقات ابن سعد علی بن حسینؒ)

آیت مباہلہ کے متعلق

غلط فہمی، تسامح یا ذہول کی بنا پر غلط بیانیوں پر تحقیقی نظر

گذشتہ صفحات میں بدلائل وشواہد ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضور خاتم المعصومینؐ کی وفات کے وقت حضرات حسنینؓ کی عمریں بالترتیب تین چار اور دو تین سال کے درمیان تھیں۔

سورۂ آلِ عمران کا زمانہ نزول ۳ ہجری ہے۔ غزوۂ اُحد ۳ ہجری میں ہوا اور اسی زمانہ میں یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیاں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پورے عروج پر نظر آتی ہیں سورۂ آلِ عمران میں غزوۂ اُحد کے ذکر کے ساتھ ساتھ اُنہی فتنہ انگیز اہل کتاب سے بار بار تخاطب ہے۔ بلکہ حضور خاتم المعصومینؐ کو فرمایا جاتا ہے کہ کافروں سے دلی تعلقات منقطع کر دیجئے۔

اسی زمانہ میں یمن سے ایک عیسائی وفد عبد المسیح نامی ایک راہب یا پادری کی قیادت میں حضور خاتم المعصومینؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عبد المسیح ایک عالم آدمی تھا۔ اور اُس نے حضور خاتم المعصومینؐ سے مناظرانہ رنگ میں گفتگو شروع کی مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت[لہ] کے خلاف ہے کہ کسی پیغمبر کا ذکر مستقبل میں بطور مناظر مذکور رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایک پیغمبر کو ایسا طریق اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو فریق مقابل کو ششدر، حیران اور مبہوت کرنے والا ہو۔

لہ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس مشیت پر سیدنا ابراہیمؑ کا واقعہ پیش کرتا ہے جب کافر نے یہ تعلّی کی کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں تو حضرت ابراہیمؑ نے زندگی اور موت پر مناظرانہ رنگ میں فلسفہ پیش کرنے کے بجائے ایک دوسرا رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اُسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ تو کافر یہ سنکر مبہوت رہ گیا۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۶۱ سے یہی صورت سامنے آتی ہے جسے آیتِ مباہلہ کہا جاتا ہے۔ فَمَنْ حَاجَّكَ ۔ ۔ ۔ ۔ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ

ترجمہ:۔ پھر اگر یہ لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چکی ہے تو اُن سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ اور ہم خود بھی آئیں تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (اللہ تعالےٰ سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

عیسائی وفد کو یہ ایک چیلنج تھا کہ تم اپنے بیٹوں، اپنی عورتوں اور اپنے مردوں کو بلاؤ۔ پھر ہم بھی اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے مردوں کو بلائیں اور جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کے حضور میں لعنت کے لئے التجا کریں اس مقام پر چند صورتیں قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ کیا عیسائی وفد کے ہمراہ ان کے لڑکے اور ان کی عورتیں تھیں۔ کہ آیت مذکور میں بیٹوں اور عورتوں کو مقام مباہلہ پر حاضر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یا انہیں اپنے گھروں سے طلب کرنا مقصود تھا۔

۲۔ کیا وہ گھر سے نکلتے ہوئے اپنے تمام زیر کفالت کنبہ کو لے کر چلے تھے یہاں جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ آپ حدیث کی تمام کتابیں کھنگال ڈالیے تواریخ و اسیر کے تمام کونے کھدرے تلاش کر لیجئے آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ عیسائیوں کے ساتھ لڑکے یا عورتیں موجود تھیں۔

پھر یہ کیا تک بازی ہے کہ عیسائی وفد شرائط مباہلہ پوری کرنے کی حیثیت میں ہی نہیں اور حضور خاتم المعصومین فوراً سیدنا علیؓ سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ (جن کا وجود ہی ابھی منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا) کو طلب فرمانے کا حکم فرما دیتے ہیں کیا ایسا کہنے والوں کو اپنی اس

حواس باختگی کا علم نہ ہو سکا کہ حضور خاتم المعصومینؐ کی ذاتِ اقدس کے متعلق ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ گویا فریق مقدمہ ابھی تو اسیانت کے لئے اظہار آمادگی ہی نہیں کرتا اور نہ ہی وہ شرائط مباہلہ پوری کرنے کی حیثیت میں ہے مگر حضور صادق و مصدوقؐ کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدانِ مباہلہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں۔ یا للعجب

۳۔ حضرات حسنینؓ کی نسبت حضور خاتم المعصومینؐ کے دوسرے نواسے نواسیاں (یعنی سیدہ زینبؓ کی اولاد یعنی سیدنا علیؓ بن سیدنا ابی العاصؓ جو فتح مکہ کے روز آنحضرتؐ کے ردیف تھے، اور سیدہ امامہؓ جنھیں آنحضرتؐ نے محبوب ترین اولاد فرمایا تھا) اور نماز کے وقت اُنہیں کندھوں پر بٹھا لیا کرتے تھے اُنہیں طلب نہیں فرماتے نیز سیدہ رقیہ الزہراؓ کے بیٹے سیدنا عبداللہؓ جو سیدہ امامہؓ سے بھی عمر میں بڑے تھے۔ مگر اُنہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلب نہیں فرماتے۔ صرف حضرات حسنینؓ کو طلب فرماتے ہیں اس روایت کے کذب پر واضح دلیل ہے۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ مباہلہ کا واقعہ ۸-۹ ہجری سے تعلق رکھتا ہے تو اس وقت سیدنا حسنؓ ابھی عالمِ شیر خوارگی میں تھے۔ اور سیدنا حسینؓ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے شرفِ مباہلہ کا تاج ان کے سروں پر رکھنے کے لئے ان کے سنینِ ولادت کو مقدم کر کے دکھانے کی کوششیں کی گئی ہیں مگر اس روایت کا حواس باختہ خالق پھر بھی پٹڑی سے اُتر گیا ہے یعنی سیدہ اُم کلثومؓ جو سیدہ فاطمہؓ کی سب سے بڑی اولاد تھی اور سیدہ زینبؓ بنت سیدہ فاطمہؓ کو بھی نظر انداز کر گیا۔ شاید اس لئے کہ سیدہ ام کلثومؓ کو سیدنا فاروق اعظمؓ کی زوجیت کا شرف حاصل تھا اور سیدہ زینبؓ واقعہ کربلا کے بعد اپنے سوتیلے داماد امیر یزیدؒ کے پاس

دمشق میں مقیم ہو گئی تھیں۔ بلکہ بعض کا خیال ہے کہ سیدہ امِ محمدؓ یعنی امیر یزیدؒ کی بیوی سیدہ زینبؓ کی سوتیلی بیٹی نہ تھیں بلکہ حقیقی بیٹی تھیں۔

۴۔ آیت مباہلہ میں تمام صیغے جمع کے ہیں۔ ابناءنا۔ نساءنا۔ انفسنا مگر اس منسوب الی الرسولؐ قول سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ حضور خاتم المعصومینؐ نے صرف علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بلانے کا حکم دیا تھا یا بُلایا تھا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ابناءنا مگر حضور خاتم المعصومینؐ سیدنا علیؓ بن سیدنا ابی العاصؓ اور سیدنا عبداللہؓ بن سیدنا ذوالنورینؓ کو نظر انداز کر کے صرف حسنینؓ کو بلاتے ہیں۔

کتنی ستم ظریفی ہے کہ کسی مجہول کذاب داستان گو کے کذب کو کس سادگی سے مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر میں دوہرایا جا رہا ہے اور یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اس کذب کا نشانہ کس عظیم ذات کو بنایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ نساءنا فرماتا ہے مگر ہمارے "معروف معنون" میں مولانا اس کذاب داستان گو کے طابق النعل بالنعل صرف سیدہ فاطمہؓ کا نام لکھتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم غیر شعوری طور پر کس طرح حضور خاتم المعصومینؐ کی ذاتِ اقدس پر حملہ آور ہونے کے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ گویا نساءنا میں نہ تو اُمہات المؤمنینؓ شامل ہیں اور نہ سیدہ زینبؓ اور سیدہ اُمِ کلثومؓ اور اگر واقعہ مباہلہ کو ۲ ہجری کا واقعہ تسلیم نہ کیا جائے اور ۸۔۹ ہجری ہی تسلیم کیا جائے اور سیدہ زینبؓ کی وفات کو تسلیم کیا جائے تب بھی سیدہ اُمِ کلثومؓ ابھی زندہ تھیں۔

۵۔ یہ صورت واقعہ کا ایک رُخ تھا۔ اصل صورت یہ ہے کہ اگر عیسائی وفد مباہلہ کے لئے آمادہ ہو جاتا تو حضور خاتم المعصومینؐ ایسے اہم موقع پر اپنی روحانی ذریت یعنی تمام صحابہ کرامؓ کو اور خصوصی طور پر ان اصحابؓ

کو جنھیں وقتاً فوقتاً آپؐ منّا اھل البیت فرماتے رہے اور تمام امہات المومنینؓ کو طلب فرمانے کا حکم صادر فرماتے۔ ان سب میں سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ سیدّہ زینبؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور ان کی اولاد بھی ہوتی ـــــــ مگر عیسائی وفد کے سامنے جونہی حضور خاتم المعصومینؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی بقول ابن ہشام عیسائیوں نے ایک رات کی مہلت طلب کی اور دوسرے دن انہوں نے حضور خاتم المعصومینؐ کی فرمودہ شرائط کے مطابق صلح کر لی۔ اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مباہلہ سرے سے ہوا ہی نہیں جب آیت مباہلہ کا نزول ہوتا ہے۔ عیسائی وفد کے ارکان سنتے ہیں اور ایک شب کی مہلت طلب کرتے ہیں اور دوسرے دن شرائط صلح پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ عیسائی وفد مباہلہ کے لئے تیار ہی نہیں ہوا حضور خاتم المعصومینؐ کے متعلق یہ کہنا کہ آنحضرت نے فلاں فلاں کو طلب فرمایا تھا بلکہ انہیں طلب فرما کر ایک چادر سے ڈھانپ لیا تھا اور اس واقعہ کو حدیث کساء کا نام بھی دیدیا جاتا ہے، کتنی ڈھٹائی، سینہ زوری اور کذب پر مشتمل داستان سرائی ہے۔

درائیت کی روشنی میں آیت مباہلہ کے ضمن میں جو خیال آفرینیاں کی گئی ہیں وہ سراسر عجمی ٹکسال میں گھڑی گئی ہیں۔

آیت مباہلہ خود اس بات پر شاہد ہے کہ حدیث کساء وغیرہ کی قسم کی روایات سراسر کذب پر مبنی ہیں۔

چند سوالات

ان لوگوں سے جن کا عقیدہ ہے کہ سیدنا حسنؓ ان کے مزعومہ دوازدہ ائمہ میں سے دوسرے امام تھے اور سیدنا معاویہؓ غاصب تھے۔

۱۔ امامِ حق سے کیا مراد ہے قرآن یا اُصول اربعہ کی روشنی میں امامِ حق کی تعریف کیا ہے؟

۲۔ سیدنا حسنؓ اگر امام حق تھے تو انہوں نے حق امامت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کرکے مع اپنے برادر خورد ان کے

ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟

۳۔ کیا ایک امامِ حق کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی غاصب کے ہاتھ پر بیعت کرے۔

۴۔ سیدنا حسنؓ معہ اپنے برادرِ خورد سیدنا حسینؓ سالہا سال تک کیوں ایک غاصب حکمران سے وظائف، عطیات حاصل کرتے رہے؟ کیا یہ تعاونوا علی الاثم والعدوان نہیں؟

۵۔ سیدنا حسنؓ کی کتنی ہمشیر زادگان اور پوتیاں اُس غاصب حکمران کے بیٹوں، بھتیجوں اور دیگر رشتہ داروں کے نکاح میں تھیں۔ اور دیگر آئمہ کی کتنی بہنیں اور بیٹیاں غاصب حکمران کے خاندان میں بیاہی گئیں؟

۶۔ اگر سیدنا حسنؓ یا دیگر مزعومہ آئمہ مجبوراً غاصب حکمران کے خاندان میں اپنی لڑکیاں دیتے رہے تو قرآنی حکم کے تحت انہوں نے اس ملک سے ہجرت کر کے اپنا ایمان کیوں نہ بچایا؟

۷۔ سیدنا حسنؓ، سیدنا معاویہؓ کے حق میں حق امامت سے دستبردار ہو گئے تو سیدنا حسینؓ کے حق میں نص کس نے کی؟

۸۔ کیا وجہ ہے کہ دوازدہ آئمہ کے عقیدہ کے قائلین ہر نماز کے بعد ہر امام کے مزار کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے صلواۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ مگر سیدنا حسنؓ کے لئے نہ کوئی سلام مخصوص ہے اور نہ ہی ان کے مدفن کی طرف اشارہ کر کے کچھ پڑھا جاتا ہے۔؟

۹۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کو زہر دے کر مارا گیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ نے عالمِ ماکان وما یکون ہوتے ہوئے زہر آلود شربت کیوں پیا۔ کیا آپؓ کا یہ فعل خودکشی کے ضمن میں نہیں آتا۔ اور اگر آپ نے خودکشی کی تو فقہ جعفریہ میں خودکشی کے متعلق کیا حکم ہے؟

۱۰۔ کیا سیدنا حسنؓ نے اپنی تمام زندگی میں سادات بنو امیہ کے متعلق کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کیا؟

تلک عشرۃٌ کاملہ

ضروری اعلان

آج یکم مارچ سنہ ۱۹۷۹ء تک میری جو تالیفات طبع ہو چکی ہیں کتاب ہذا کے صد ۲ پران کی فہرست موجود ہے۔ ان میں سے میں نے تا ایں دم کسی کتاب کی طباعت یا اشاعت کے حقوق کسی فرد یا ادارے کے نام منتقل نہیں کئے۔ اگر کسی فرد یا ادارے نے میری کسی تالیف پر "جملہ حقوق بحق فلاں محفوظ ہیں" کے الفاظ لکھے ہیں تو وہ سراسر غیر قانو متصور ہوں گے۔

میری زندگی میں میری تالیفات کا حق اشاعت ہر اُس فرد یا ادارے کو حاصل جو مجھ سے تحریری طور پر اشاعت کی اجازت حاصل کرے گا۔ اور میری موت کے بعد حق خود بخود میری اولاد کو منتقل ہو جائے گا۔ لہذا کوئی فرد یا ادارہ میری کسی تالیف "جملہ حقوق بحق فلاں یا فلاں محفوظ ہیں" لکھنے کا مجاز نہیں۔ ایسا لکھنے والوں کے متع میں قانونی حقوق بحق خود محفوظ رکھتا ہوں۔

میری اس تحریر کا اطلاق میری آئندہ تالیفات پر بھی لاگو متصور ہو تا وقتیکہ میں خود اس اعلان میں کسی قسم کی ترمیم نہ کروں۔

حکیم فیض عالم صدیقی

فیض عالم صدیقی بقلم خود

یکم مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

سیدنا

رضی اللہ عنہ